پاکستانی نوجوان، فکری انحراف: اسباب اور سدباب
اسوہ حسنہ کی روشنی میں

Pakistani Youth, Ideological deviation: causes and remedies In the light of Uswa-e-Ḥasana

ڈاکٹر عبدالحی مدنی*

ABSTRACT

The Pakistani youth are engaged day and night in a struggle for attainment of education, technology, and status. But what is deplorable is that they have forgotten their cultural values, ethics, code of life, and religious identity in order to unite with external powers in becoming part of the drive for development and they have become ignorant of their fundamental responsibilities as a member of the Muslim Ummah.

What are the priorities and issues facing Muslims on the local, national, and international levels? Especially in Europe and America the Muslim youth are standing at the crossroads. They are undergoing a religious, ideological, and moral decline. History is eye witness to how the Muslim youth made valuable sacrifices in all walks of life and persevered in making incredible achievements.

Moreover, it is the three-fold ideological, cultural, and emotional invasion of the anti-Islamic forces which has been the cause of a weakening of faith in the Muslim Ummah in general and the young generation in particular, since ideology is of primary significance for any nation, religion, movement, or group. It is true that nations are formed and sustained on the basis of ideology. The moment the ideological base is weakened, decline and dissolution become the fate of nations. They are unaware of how it is our foremost national duty and an urgent need to develop scholars who would propagate the Islamic agenda. Contrastively, the anti-Islamic forces are engaged in engendering their representatives.

Hence, in order to safeguard our youth from ideological and religious dissolution it is necessary that educational and cultural steps are taken in society in advance so that our youth are provided with a wholesome environment free of ideological dissolution. An outline of the article is given below:

The importance and significance of the prime of youth,
The ideological propensities of the youth,
The causes of dissension in youth,
The remedy of dissension, are discussed in detail in this article.

Keywords: *Youth, Religious, Fundamental, Achievements, Emotional, Invasion, Dissolution, engendering*

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، این ای ڈی یونیورسٹی، کراچی

پاکستانی معاشرے کا نوجوان تعلیم ،ٹیکنالوجی اور منصب کے حصول کے لئے جدو جہد میں دن رات مصروف عمل ہے لیکن افسوسناک پہلو یہ ہے کہ تہذیب وتمدن ، اخکلاقیات ،اصول حیات اور اپنے مذہبی تشخص کو بھلا کر اغیار کے ساتھ ترقی کی دوڑ میں مگن ہو کر امت محمدیہ کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اپنی بنیادی ذمہ داریوں سے غافل ہوچکا ہے ۔

عالمی، قومی اور مقامی سطح پر مسلمانوں کی ترجیحات اور مسائل کیا ہیں، خصوصا یورپ اور امریکہ میں مسلم نوجوان دوراہے پر کھڑا ہے، عقیدہ کے ساتھ فکری ، نظریاتی اور کردار کے انحطاط کا شکار ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلم نوجوانوں نے زندگی کے ہر میدان میں قابل قدر قربانیاں دیتے ہوئے، جدوجہد جاری رکھی اور بے مثال کامیابیاں حاصل کی ہیں،علاوہ ازیں اسلام دشمن طاقتوں کی نظریاتی، ثقافتی اور جذباتی سہ جہتی یلغار بھی امت مسلمہ کی بالعموم اور نوجوان نسل کی بالخصوص ایمان کی تاثیر سے محرومی کا سبب بن رہی ہے کیونکہ نظریہ کسی بھی قوم، مذہب، تحریک یا تنظیم کے لئے اساسی درجہ رکھتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ اقوام نظریے کی بنیاد پر بنتی اور قائم رہتی ہیں جونہی نظریاتی اساس کمزور ہوئی، زوال وانتشار قوموں کا مقدر بن جاتا ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو یہ پتہ نہیں ہے کہ مسلمانان عالم کی کیا ترجیحات ہیں، مسلمانوں کی ۲۱ویں صدی میں کیا منصوبہ بندی ہونی چاہیے اور مسلم مقاصد کی تبلیغ کرنے والے ماہرین پیدا کرنا اولین ملی ذمہ داری اور عصری ضرورت ہے جبکہ مسلم دشمن طاقتیں اپنے ترجمان پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔

چنانچہ اپنے نوجوانوں کو فکری اور اعتقادی آلودگیوں سے پاک اور محفوظ رکھنے کیلئے پیشگی اقدامات کے طور پر معاشرے میں علمی اور ثقافتی تدابیر کو اسطرح مرتب کرنے کی ضرورت ہے کہ انہیں ایک سالم اور فکری آلودگیوں سے پاک ماحول میسر ہوسکے-اس مقالہ کا خاکہ درج ذیل ہے

مبحث اول: عنفوان شباب کی اہمیت وافادیت

مبحث دوم: نوجوانوں کے فکری رجحانات

مبحث سوم: نوجوانوں کے انحراف کے اسباب

مبحث چہارم: انحراف کا سدباب

مبحث اول: عنفوان شباب کی اہمیت وافادیت

موجودہ دور کے اعتبار سے آج کے نوجوان کا غفلت اور بے راہ روی کا شکار ہونا ایک المیہ ہے جس کی بنیادی وجہ عقیدہ آخرت کے بارے میں غلط تصورات ہیں۔ جس میں موت کو صرف بڑھاپے سے منسلک کر دینا اور ضعیف العمر لوگوں کا احترام نہ کرنا اور ان کے مقام و مرتبہ کے منافی رویوں کو اختیار کرنا ہے حالانکہ یہ عمر کا قیمتی ترین حصہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ»(۱).

سات آدمیوں کو اللہ اپنے سائے میں رکھے گا جس دن کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہو گا حاکم، عادل اور وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہو اور وہ دو اشخاص جو باہم صرف اللہ کے لئے دوستی کریں جب جمع ہوں تو اسی کے لئے اور جب جدا ہوں تو اسی کے لئے اور وہ شخص جس کو کوئی منصب اور جمال والی عورت زنا کیلئے بلائے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس لئے نہیں آسکتا اور وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا اور وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جائیں۔

اور اسی طرح ایک اور حدیث میں فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ»(۲).

طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے۔

اس عمر کی اہمیت کے پیش نظر ہی رسول اللہ ﷺ نے اس عمر کو قیمتی گردانتے ہوئے تاکید کی کہ اسے غنیمت جانو اس سے قبل کے یہ عمر گزر جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

---

(۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ وفضل المساجد، حدیث نمبر: ۶۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۹م، ۱/۱۶۸

(۲) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب القدر، باب فی الامر بالقوۃ و ترک العجز والاستعانہ باللہ و تفویض المقادیر للہ، حدیث نمبر: ۶۹۴۶، محقق: محمد فواد عبد الباقی، دار العلم، بیروت، ۱۹۹۹م، ۸/۵۶

«إغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابكَ قَبْلَ هِرَمِكَ »(١).

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو! بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔

لہذا عنفوان شباب کا زمانہ انسان کی زندگی میں بہت اہم ہوتا ہے عمومی طور پر معاملہ فہمی کی کیفیت بہت کم پائی جاتی ہے لہذا اگر اس دور کی اہمیت کو جان لیا جائے تو جو کارہائے نمایاں اس دور میں انجام دیے جاسکتے ہیں وہ بڑھاپے میں ممکن نہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے بطور تشجیع یوسف علیہ السلام اور اصحاب کہف کی جوانی کے کارناموں کا ذکر کیا ہے جو ہمارے لیے نمونہ عمل ہیں بلکہ تمام انبیاء کو نبوت جوانی کی عمر میں ملی تھی اور انہوں نے فرائض نبوت کی ادائیگی میں اپنی پاک وصاف جوانیوں کی قوت سے بھرپور کام لیا تھا خود رسول اللہ ﷺ کو نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی تھی جو شباب کا درجہ کمال ہے اور آپ کے اکثر اصحاب اور رفقاء کار نے بھی جوانی کی عمر میں اسلام قبول کیا۔

اصحاب الکہف کے بارے میں فرمایا:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا﴾(٢).

وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی ہم نے ان کے دل اُس وقت مضبوط کر دیے جب وہ اٹھے اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ "ہمارا رب تو بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اُسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بیجا بات کریں گے۔

اس کے علاوہ نوجوان صحابہ کی مثالیں بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ نوجوان امت کا قیمتی سرمایہ اور مستقبل کے معمار ہوتے ہیں، اسلام نے انہیں بہت اہمیت دی ہے، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جن لوگوں کو اللہ تعالی اپنا سایہ نصیب فرمائے گا جس دن اس کے سایے کے علاوہ کسی کا سایہ نہیں ہوگا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ان میں ایسا نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھے بھی شامل ہے۔

«وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ »(٣).

اور ایسا نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا ہو اور اس کا دل مسجد سے جڑا ہوا ہو۔

---

(١) حاکم، محمد ابن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر:٧٩١٦، دار العلم، بیروت، طبع:اول، ١٩٩٠ء، ٣٤١/٤

(٢) سورۃ الکہف:١٣-١٤

(٣) صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ وفضل المساجد، حدیث نمبر: ٦٣٣، ١٦٨/١

مبحث دوم: نوجوانوں کے فکری رجحانات

اگر غور کیا جائے تو معاشرے میں موجود نوجوانوں کے چار طبقات دیکھے جاسکتے ہیں جن کا اختصار کے ساتھ تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔ سیکولر اور لبرل

ان نوجوانوں کی اکثریت مذہب بے زار یا مذہبی تعلیمات سے متنفر ہوتی ہے جس کے ایک سے زائد اسباب ممکن ہو سکتے ہیں جن میں سے کچھ اسباب داخلی اور کچھ خارجی ہیں یہ لوگ مغربی فکر سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے لیے کامیابی مغرب کی پیروی میں ہی مضمر ہے لہذا اس فکر کے ساتھ یہ لوگ مقررہ حدود سے تجاوز کرتے ہوئے دین اسلام کی تعلیمات کی وہ تشریحات قبول کرتے ہیں جو اہل مغرب نے کی ہوں ۔

۲۔ روشن خیال یا جدت پسند

یہ وہ نوجوان ہیں جو مغربی فکری یلغار کی وجہ سے شرعی احکامات کی تعبیر جدید کرتے ہیں جس کی بنیاد عقل محض ہوتی ہے کیونکہ ان کی اکثریت کا تعلق دنیاوی جامعات سے ہوتا ہے جہاں صرف عصری علوم کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے اور عصری علوم کے نصاب میں اخلاقیات کا فقدان ہونے کی وجہ سے مادیت پرستانہ سوچ کا غلبہ ہونا زیادہ آسان ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر حکم کی تعلیل اور سبب تلاش کرتے ہیں اور جس حکم کی تعلیل نہ کر سکیں اس کا انکار ان کے لیے سھل ہوتا ہے۔

۳۔ روایت پرست

یہ وہ نوجوان ہیں جو روایت پرست کیفیات کے حامل ہوتے ہیں اور دین اسلام کی دی ہوئی رہنمائی پر بہت شدت سے عامل ہوتے ہیں ان میں اکثریت کا تعلق علماء سے ہوتا ہے کہ بسا اوقات فقہ الواقع کو نظر انداز کر کے نصوص کے ظاہری مفاہیم سے استدلال کرتے ہیں لیکن ان کا عمل شریعت کے احکام کے مطابق ہوتا ہے اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس عمل میں کوئی غفلت یا تساہل سے کام نہ لیں۔

۴۔ بنیاد پرست

پہلی قسم کے نوجوان وہ ہیں جو دین اسلام کو مذہب نہیں بلکہ مکمل نظام سمجھتے ہیں جس کا احاطہ زندگی کے تمام شعبہ حیات مثلاً سیاست، اقتصاد، معاشرت پر محیط ہے لہذا یہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے تمام معاملات کو دینی رہنمائی کی روشنی میں حل کر سکیں۔ اور اس میں یہ نصوص کا انطلاق عصر حاضر کے مسائل پر بھی کرتے ہیں جس میں فقہ الواقع کا پہلو زیادہ واضح ہوتا ہے۔[1]

---

(۱) صدیقی، محمد تنزیل، اسلام اور عصر جدید، مکتبہ نور حرم، کراچی، ص: ۴۷

مبحث سوم: نوجوانوں کے انحراف کے اسباب

اگر بغور جائزہ لیا جائے تو نوجوانوں کی گمراہی و اِنحراف کے کئی اَسباب سامنے آتے ہیں نوجوانی کی عمر ہی ایک ایسی عمر ہے جس میں انسان پر جسمانی، فکری اور عقلی حیثیت سے بڑی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی ہوتی ہیں، اِنسانی جسم نشو و نما اور اِرتقاء کی طرف گامزن ہوتا ہے، ہر لمحہ نئے تجربات اور تازہ احساسات، عقل و فکر کے دریچے کھولتے جاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ شعور واِدراک کی نت نئی منازل بھی طے ہونا شروع ہو جاتی ہے جس کی بنا پر انسان سوچ و فکر کی نئی راہیں متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے، دوسری طرف جذبات کی شدت فیصلوں میں عجلت پر مجبور کرتی ہے۔ ان اَحوال میں نوجوانوں کو ایسے مربیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو اعلیٰ اور لطیف حکمت و بصیرت کے ساتھ اِعتدال کا دامن اُن کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں، بڑے احتیاط اور صبر و تحمل کے ساتھ صراطِ مستقیم کی طرف لے چلیں۔ ان پانچ اَہم ترین اَسباب کا ذکر کرتے ہیں جو آج کل کے نوجوانوں کے بگاڑ میں نمایاں کردار اَدا کرتے ہیں تاکہ بعد میں حسبِ حال اِصلاح ممکن ہو سکے۔

۱- صراط مستقیم یا صحیح عقیدہ سے جہالت

مسلمان کی زندگی کے دو اہم اور بنیادی و اساسی دائرے اخلاص و متابعت ہیں۔ عنصر اول میں اللہ تعالی کے بارے میں درست عقیدے کا حامل ہی اللہ تعالی کے ساتھ مخلص ہو سکتا ہے اور اللہ تعالی کے بارے میں صحیح عقیدہ اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مکمل متابعت اس طرح کرے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔ مسلمان کی وجہ تخلیق بھی عبادت الٰہی ہی ہے یعنی مسلمان کی پوری زندگی عبادت اور توحید سے جڑی ہوئی ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کے روزمرہ کے افعال میں بھی توحید کا قولی و عملی قائل ہوتا ہے۔

نوجوان طبقہ کا صراط مستقیم کے عملی تقاضوں سے لاعلمی اور عملی ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے ایک حصہ عبادات کو جو محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے اور دوسرا حصہ دنیاوی زندگی کا جس کا دین و عقیدہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔[1]

درست عقیدے کی کمی نے ان کی زندگی کو صراط مسقیم سے انحراف کی شکل میں ڈھال دیا ہے۔

۲- احساس کمتری

اعداء اسلام کی طرف سے مسلط فکری جنگ کا سب سے اہم ترین پہلو مغرب کی مادی ترقی کو دیکھ کر ان کے مقابلے میں احساس کمتری میں مبتلا ہو جانا ہے جس کے ایک سے زائد مظاہر ہمارے معاشرے میں نظر آسکتے ہیں جس

---

(۱) مودودی، ابوالاعلی، سید، تنقیحات، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۱، ص: ۱۶۵-۱۶۶

میں ہمارے نوجوان کی زبان و بیان، لباس اور رہن سہن وغیرہ قابل ذکر ہے اور اس سوچ میں گرفتار ہمارے نوجوان کامیابی کے لیے مغربی ثقافت کو اختیار کرنا ہی ضمانت سمجھتے ہیں لہذا زبان و بیان ہی نہیں بلکہ رہن وسہن یہاں تک کہ اسلام سے تعلق کو معیوب سمجھتے ہیں اور جدیدیت یا لبرل ازم یا سیکولر ازم کو بہترین نظام زندگی گردانتے ہوئے اسے اختیار کرتے ہیں، جس کی واضح مثالیں ہمارے معاشرے میں موجود ایسے نوجوانوں کی ہے جو دنیاوی تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق محض رسمی ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی مسلمان ہیں وگرنہ مسلمان کی پہچان قرآن مجید کے درست پڑھنے میں مضمر ہے لیکن یہ پیدائشی مسلمان بسا اوقات کلمہ طیبہ کے مفہوم کو مکمل ترجمے کے ساتھ نہیں جانتے۔ اس کے پس منظر میں احساس کمتری ہی شامل ہے جس کی بنیاد مادیت پرستی ہے۔

۳- نسل نو اور بزرگوں کے درمیان خلیج

نوجوانوں اور بزرگوں کے مابین موجود خلیج کی سب سے بڑی وجہ ہمارے معاشرے میں مشترکہ خاندانی نظام کا ختم ہو جانا ہے جس میں اسلام کا تربیتی نظام اپنی تمامتر خوبیوں سمیت پایا جاتا تھا جس کے بعد ہر چھوٹا ہر بڑے کا حترام کیا کرتا تھا لیکن اب شادی کے بعد الگ الگ رہائش نے ہماری معاشرتی قدروں کو ختم کر دیا جس کا سب سے بڑا نقصان نسل نو اور بزرگوں کے مابین خلیج کا پایا جانا ہے۔(۱)

اور یہی سبب ان کی بے راہ روی میں بھی کردار ادا کر رہا ہے۔ دن بدن یہ فرق بڑھتا چلا جا رہا ہے نوجوان اپنے خاندان اور دوسروں سے بلا تفریق بُعد اور دوری اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ بوڑھے اپنے نوجوانوں کی بے راہ روی اور اِنحراف کا مشاہدہ کرتے ہیں تو شاکی نظر آتے ہیں اور نوجوانوں کی اِصلاح سے مایوس و نااُمید نظر آتے ہیں۔

بڑوں کے ایسے رویے سے پھر نوجوان بھی ان سے دوری میں عافیت سمجھتے ہیں جیسے بھی حالات ہوں بہتری یا بدتری کے، ان معاملات میں بڑوں کو اپنے ساتھ شامل نہیں کرتے اس جنریشن گیپ سے معاشرتی دوریاں جنم لیتی ہیں منفی رویے تشکیل پانا شروع ہو جاتے ہیں نوجوان بوڑھوں کو اور بوڑھے نوجوانوں کو بنظر حقارت دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ دونوں گروہوں کے انہی رویوں کی وجہ سے کئی طرح کے خطرات معاشرے کے دروازے پر دستک دینا شروع کر دیتے ہیں۔

۴- بری صحبت

نوجوانوں کی گمراہی کا پانچواں سبب اُن کی ایسے لوگوں کے ساتھ صحبت اور میل جول رکھنا ہے جو گمراہ ہیں۔ صحبت ان عوامل میں سے سب سے زیادہ مؤثر ترین عامل ہے جس سے نوجوان متأثر ہوتے ہیں۔ یہ چیز ان کی

(۱) حمید الرحمن، عصر حاضر میں تربیت اولاد، مکتبہ محمدیہ، کانپور، ۲۰۱۶م، ص: ۹۵

عقل و فکر اور رویوں کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«المرْءُ عَلى دِيْنِ خَلِيْلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِل»[١].

یعنی آدمی اپنے ہم نشین ساطرزِ زندگی اپناتا ہے۔

چنانچہ کسی کی ہم نشینی سے پہلے اس کے بارے میں غور کرلو کہ وہ کیسا ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ فرمایا:

«مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الْحَدَّادِ لاَ يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ، أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ وَكِيرُ الْحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ، أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً»[٢].

اچھے اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے مشک والا اور لوہاروں کی بھٹی تو مشک والے کے پاس سے تم بغیر فائدے کے واپس نہ ہوگے یا تو اسے خریدوگے یا اس کی بو پاؤگے اور لوہار کی بھٹی تیرے جسم کو یا تیرے کپڑے کو جلادے گی یا اس کا دھواں تجھے کبیدہ خاطر بناتا رہے گا۔

۵- اخلاق سوز لٹریچر

نوجوانوں کی گمراہی کا چھٹا سبب ایسے رسائل و مجلّات، اخبارات اور کتب کا مطالعہ ہے جو عقائد و نظریات کے بارے تردّد و شک کی راہ ہموار کرتے ہیں، اسے اَخلاقِ رذیلہ پر آمادہ کرتے اور کفر و فسق میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ بالخصوص اس وقت جب کسی فرد کی تربیت پر ثقافت اِسلامیہ کے اَثرات اچھی طرح مرتب نہ ہوں اور وہ اپنے دین کے فہم کے حوالے سے ایسی بصیرت سے محروم ہو جو حق و باطل کے درمیان اچھی طرح خطِ امتیاز کھینچ سکے اور اپنے لیے نافع و ضرر رساں کا گہرے شعور کے ساتھ اِدراک کر سکے۔ اس طرح کی کتابوں کا مطالعہ نوجوان کو یکسر پھیر دیتی ہے اور وہ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے ان گمراہوں کو نہ چاہتے ہوئے قبول کر بیٹھتا ہے۔

٦- جدید وسائل اعلام کا غلط استعمال

معاشرے کے نوجوانوں کی گمراہی اور صراط مستقیم سے انحراف کی اس وقت سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جدید ایجادات کا غلط استعمال ہے، جس میں موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ قابل ذکر ہیں یہ ایجادات بذات خود منفی نہیں بلکہ ان کا استعمال انہیں منفی بنا دیتا ہے۔

---

(١) ترمذی، محمد بن عیسی، سنن، کتاب الذبائح، باب الزھد عن رسول اللہ ﷺ، حدیث نمبر:٢٣٥٧، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ٤/٥٨٩

(٢) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب فی العطار و بیع المسک، حدیث نمبر:٢٠١١، ٣/٨٢

۷- اسلام کے بارے میں بدگمانیاں

دورِ جدید میں مغربی فلسفہ و فکر کے تسلط کی وجہ سے نوجوان طبقہ فکری طور پر اِسلام کے بارے میں بہت سی بدگمانیوں کا شکار ہوا ہے، چنانچہ ان بدگمانیوں کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اسلام کے حوالے سے مجموعی طور پر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کی آزادی سلب کرکے اسے فکری و عملی لحاظ سے قید کرکے رکھ دیتا ہے، ترقی کے دروازے مسدود کر دیتا ہے، صلاحیتوں پر بندشیں عائد کر دیتا ہے اور انسان کو دقیانوس بنا دیتا ہے۔ یہی وہ اعتراض و خدشات ہیں جو دورِ جدید کے نوجوانوں کے قلب و ذہن پر طاری و مسلط ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اسلام سے بباطن یا بظاہر اظہارِ بیزاری اور برات کا اظہار کر دیتا ہے۔ نعوذ باللہ

۸- اسلام دشمن عناصر کا منفی پروپیگنڈا

عصر حاضر میں جنگی محاذ آرائیوں کے اسالیب تبدیل ہو چکے ہیں، پہلے جنگیں میدان میں ہوا کرتی تھی اور وہیں فیصلے ہوا کرتے تھے جبکہ اب جنگیں فکری اعتبار سے لڑی جاتی ہیں، جس میں مخالف کی فکر اور ذہن کو منفی پروپیگنڈا سے متاثر کیا جاتا ہے اور یہ منفی پروپیگنڈا جدید وسائل اعلام کی بنیاد پر پھیلایا جاتا ہے جس میں اخبارات، ٹیلیویژن چینلز، انٹرنیٹ اور اسمارٹ موبائل فونز وغیرہ ہیں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے منفی استعمال سے ہمارے نوجوان طبقے کو دو پہلووں سے شدید نقصان ہوا، اول: تو یہ کہ ان جدید ایجادات کے منفی استعمال سے ہمارے نوجوانوں کی صلاحیتوں کا ضائع جانا اور دوم: نوجوانوں کا اس ایجادات سے متاثر ہونا اور صحیح وغلط کے مابین فرق کی تمیز ختم ہو جانا کیونکہ اس منفی پروپیگنڈے کے بعد ان کے لیے صحیح وغلط کا معیار بی بی سی یا وائس آف امریکہ یا وائس آف جرمنی کی خبریں بن جاتا ہے مزید یہ کہ پاکستان میں میڈیا چینلز کی غلط اور اسلام دشمن پالیسیوں کے بعد منعقد اکثر پروگرام کے اینکرز پرسن کی جانبدارانہ اور متعصبانہ گفتگو سے نوجوان طبقے کی فکر و ذہن کے رخ اس طرح متعین ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس طرح دشمنان اسلام کا ہدف تھا، لہذا اس حوالے سے دشمنان اسلام نے میڈیا کو بطور خاص اپنا ہدف بنایا جس کی تفصیلات ہمیں یہودی پروٹوکولز میں بھی مل سکتی ہیں جس کے تحت سوشل میڈیا، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا تینوں ذرائع کو اپنا ہدف بنایا اور اس میں بنیادی فکر ہٹلر کے دست راست گوئبلز کا مشہور مقولہ تھا کہ جھوٹ اتنی مرتبہ بولو کہ وہ سچ بن جائے۔ [۱]

۹- اسلام کا روپ دھار کر دشمن کے آلہ کار کی منفی سرگرمیاں

یہ فطری اصول ہے کہ اس دشمن سے بچنا آسان ہوتا ہے جسے انسان جانتا ہو لیکن ایسا دشمن جو دوست کا

(۱) مریم خنساء، مسلمانوں کا فکری اغواء، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ص:۳۵

بہروپ ڈھال کر ہمری صفوں میں داخل ہو جائے تو اس کی پہچان اور اس سے بچاؤ بہت مشکل اور بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے، اس حوالے سے اعداء اسلام نے سب سے پہلا ہدف نوجوانوں میں فکری تخریب کاری کو بنایا اور اس میں انہوں نے پرنٹ میڈیا، الیکٹرونک میڈیا اور سوشل میڈیا کا بھرپور استعمال شروع کیا جس کی ایک واضح مثال سابقہ ایام میں فرانس میں طے شدہ منصوبہ کے تحت یہودیوں کے حملے کے نتیجے میں تباہی و بربادی سے متاثر ہو کر مسلمان نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد نے اظہار یکجہتی کے لیے فرانس کا جھنڈا اپنی آئی ڈی میں لگایا جب کہ شام، عراق، برما، افغانستان اور وسطی افریقہ سمیت بے شمار ملکوں میں مسلمانوں کے ساتھ جو قتل و غارتگری کا سلوک روا رکھا جارہا ہے اس کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ دشمنان اسلام کا اسلام کا روپ دھار کر منفی سرگرمیوں میں ملوث ہونا جیسا کہ عصر حاضر میں مغربی این جی اوز کی ایک بڑی تعداد کا موجودہ حکومت سے سرچ آپریشن کے ذریعے سراغ لگایا اور انہیں کام کرنے سے روک دیا۔

١٠- نظام عدل وانصاف

ہمارا عدالتی نظام مظلوم کو کما حقہ انصاف دینے میں ناکام ہے اور اس نظام میں امراء کے لیے بے شمار رعایتیں اور غرباء و مساکین کے لیے سخت عدالتی معیار کی تفریق نے نوجوان طبقے کے دل و دماغ میں معاشرتی بغاوت کی فکر پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لہذا جب اسے عدالت سے انصاف نہیں ملتا تو وہ خود انصاف لینے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے جس میں صحیح اور غلط کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور یہ انتقام مزید مظلوم پیدا کرتا ہے جس کی واضح مثال حالیہ دنوں میں جنوبی پنجاب میں چھوٹو گینگ کے خلاف آپریشن کے بعد جو حقائق سامنے آئے وہ اسی امر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

١١- نظام تعلیم

نظام تعلیم کے تین بنیادی عناصر ہوتے ہیں اساتذہ، نصاب اور تعلیمی ادارہ یہ تینوں عناصر نظام تعلیم کے محور و مرکز یعنی طالب علم کے لیے وضع کیے گئے ہیں لیکن افسوس یہ تینوں عناصر اپنی اصل سے بہت دور جا چکے ہیں مثال کے طور پر استاد کی ذمہ داری نصاب کی تکمیل اور تربیت طالب علم ہے لیکن وہ صرف تکمیل نصاب کو ہی اپنی ذمہ داری سمجھ بیٹھا ہے اور ہمارا نصاب عملا ہمارے نظریاتی طے شدہ اہداف سے مطابقت نہیں رکھتا جس کے بعد تعلیمی اداروں کی کارکردگی بھی متاثر ہو رہی ہے جس کا نتیجہ طالب علم کا صراط مستقیم سے منحرف ہو جانا ہے۔

مبحث چہارم: انحراف کا سدباب

موجودہ دور در حقیقت مادی فکر کے غلبے کا دور ہے، اس نے اِنسانیت پر نہ صرف گہرے اَثرات مرتب

کیے بلکہ اس کی وجہ سے معاشرتی اَقدار مسخ ہو کر رہ گئی ہیں۔ ان حالات نے سب سے زیادہ مسائل ہمارے نوجوانوں کے لئے پیدا کئے ہیں اور سب سے بڑا اَلمیہ یہ ہے کہ نوجوان اپنے ماحول اور معاشرے میں اپنی اسلامی ثقافت کا رنگ بھی نہیں پاتا۔ اس کے پاس اَسلاف سے رشتہ وناطہ جوڑنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے یعنی وہ لٹریچر جو اَسلاف نے اپنے دور کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر تیار کیا تھا۔ بالعموم ہمارے مسلم نوجوان ان مسائل کا شکار ہیں، کیونکہ بوڑھوں کی زندگی جن سانچوں میں ڈھلی ہوئی تھی، وہ اپنے دور کے فکری تقاضوں کے بقدر ہم آہنگ تھے، وہ انہیں پہ کاربند ہیں اور انہی کے مطابق رہنا چاہتے ہیں۔ چاہے حالات کا طوفان جس طرف بھی بہہ جائے جبکہ نوجوان ہر آنے والی تبدیلی کا بری طرح شکار ہوتے ہیں۔

مثبت ذہن کا حامل نوجوان اپنی بے روزگاری کو پس پشت ڈال کر مثبت سرگرمیوں کو اختیار کرتا ہے اور کسی بھی پیشے، یا کام کو حقیر نہیں سمجھتا۔ پورے معاشرے پر روزگار کے مناسب ذرائع مہیا کرنے ذمہ داری عائد ہوتی ہے تاکہ نوجوان نسل کو خود اپنے اور معاشرے کیلئے مفید فرد بنایا جاسکے۔ نوجوانوں کو سفر وحضر، اقامت ورحلت میں اپنے دین پر فخر کرنا چاہیے، اپنی پہچان قائم رکھے، اپنے عقیدے کو بلند سمجھے اور اپنے عقیدے کے اظہار سے شرم نہ کرے چنانچہ احساسِ کمتری، نقالی، اور غیروں کے پیچھے چلنے سے احتراز کرے۔

نوجوان کی شخصیت میں ٹھہراؤ ایک اچھی خصلت ہے جو کہ ہر نوجوان کے بس کی بات ہے، یہ صفت ایک ایسی طاقت ہے جو دانشمندی کی غمازی کرتی ہے جبکہ کسی کیساتھ تعامل کرتے ہوئے حدّت وجذبات سے کام لینا اور سوچے سمجھے بغیر انتقامی کاروائی کرنا خطرناک شیطانی عادات ہیں، ان کے نتائج نوجوانوں پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں، ان کی توانائی کو ضائع کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات پورے معاشرے کیلئے وبال بھی بن سکتی ہیں۔ نوجوانوں کیلئے جوانی اور نشاط کے مرحلے میں اصولِ زندگی، تبدیل ہوتے حالات، اور گزرتے ایام سے سبق حاصل کرنا چاہیے؛ چنانچہ اپنی جوانی میں بڑھاپے کیلئے اور صحت کے ایام میں بیماری کے دنوں کیلئے کچھ کرلینا چاہیے، انہیں اپنی حالیہ حالت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ جوانی کے بعد بڑھاپا، قوت کے بعد کمزوری، اور صحت کے بعد مرض کا خدشہ لاحق رہتا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾[1].

اللہ ہی ہے جس نے ضعف کی حالت سے تمہاری پیدائش کی ابتداء کی پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں کمزور اور بوڑھا کر دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

---

(۱) سورۃ الروم: ۵۴

١۔قدوۃ حسنہ

اسلام جس تبدیلی کو لانا چاہتا ہے وہ اصلاح احوال سے تعبیر ہے جس کی ابتدا اصلاح نفس سے پھر اہل خانہ اور پھر معاشرہ یعنی اصلاح کا آغاز منتظم کی ذات سے ہوتا ہے جس کی وضاحت اس معروف حدیث سے بھی ہوتی ہے:

«أَلاَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُالرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُ أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[١].

خبر دار تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت کا نگہبان ہے اور قیامت کے دن تم سے ہر شخص کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہونا پڑے گا، لہٰذا امام یعنی سربراہ مملکت وحکومت جو لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی، مرد جو اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس کو اپنے گھر والوں کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی عورت جو اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے، اس کو ان کے حقوق کے بارے میں جواب دہی کرنی ہوگی اور غلام مرد جو اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس کو اس کے مال کے بارے میں جواب داہی کرنا ہوگی لہٰذا آگاہ رہو! تم میں سے ہر ایک تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہوگا۔

اور اس قدوۃ حسنہ کو معاشرے تک پہنچانے کا سب سے اہم ترین ذریعہ تعلیمی اداروں میں مربی اساتذہ کا وجود ہے جن کے بھرپور کردار کے بغیر تربیت ناممکن ہے۔

اس کی مزید وضاحت آیات قرآن سے بھی ہوتی ہے

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ﴾[٢].

اے ایمان والو! تم پر تمہاری ذمہ داری ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً﴾[٣].

اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو جھنم کی آگ سے بچاو۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾[٤].

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہو۔

---

(١) صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، حدیث نمبر:٨٩٣، ٩/٧٧

(٢) سورۃ المائدہ:١٠٥

(٣) سورۃ التحریم:٦

(٤) سورۃ آل عمران:١١٠

۲۔ نظام تعلیم

جیسا کہ سابقہ سطور میں بیان کیا گیا کہ نظام تعلیم کے تین بنیادی عناصر ہیں اور ان تینوں کی اصلاح طالب علم کو صراط مستقیم پر واپس لانے کے لیے کافی ہے جس کے مطابق ایک استاد معلم کے فرائض انجام دیتا ہے یعنی تدریس وتربیت کا حسین امتزاج اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی ذات کو معلم سے متصف کیا:

«إنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا»[1]. مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اس میں اس امر کا بھی خیال رکھا جائے کہ اساتذہ کو صرف نصاب مکمل کروانے کی ذمہ داری نہ دی جائے بلکہ عمل تربیت بھی اسی کی ذمہ داری ہے جس میں نصاب اور تعلیمی ادارے کی انتظامیہ دونوں اس کے مدد و معاون ہوتے ہیں۔

اور جہاں تک نصاب تعلیم کی بات ہے تو اسے اسلامی اور معاشرتی قدروں کے مطابق ہونا چاہیے نہ کہ غیر اسلامی افکار کی ترویج و اشاعت اس کے ذریعے ممکن ہو رہی ہو۔ اگر نصاب تعلیم ایسا ہو جس میں اسلام کا تربیتی اور اخلاقی پس منظر بھرپور طریقے سے موجود ہو تو اس کے بعد دینی اور دنیاوی تعلیم کے حامل نوجوانوں کے مابین فرق کم سے کم ہونے کا امکان ہے جس کے تحت دینی تعلیم کا حامل دنیاوی و عصری تعلیم سے حسب ضرورت واقفیت رکھتا ہو اور دنیاوی تعلیم کا حامل بنیادی اسلامی تعلیم یا اپنے شعبے سے متعلق اسلامی تعلیمات سے آگاہی رکھتا ہو۔

۳- دین سے گہرا رابطہ و رشتہ واصلاح عقیدہ

دین کے ساتھ ربط اسلامی معاشرے کی بنیاد ہے اور اسی ربط سے نہ صرف دنیاوی امور میں اصلاح بلکہ آخرت کی کامیابی بھی ممکن ہے اور ہر قسم کے منفی کیفیات اور شیطانی ہتھکنڈوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح مکان صرف اپنے مکینوں سے ہی آباد ہوتا ہے ایسے ہی دین دینداروں سے ہی قائم ہوتا ہے۔ جب وہ دین کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لیں گے تو پھر ان کا دشمن چاہے کوئی بھی ہو تو اللہ ان کی مدد کریں گے۔ قرآن میں ہے:

﴿يأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُركُم وَيُثَبِّت أَقدامَكُم وَالَّذينَ كَفَروا فَتَعسًا لَهُم وَأَضَلَّ أَعمٰلَهُم﴾[2].

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوطی سے جمادے گا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے تو ان کے لیے ہلاکت ہے اور اللہ نے ان کے اعمال کو بھٹکا دیا ہے۔

---

(۱) ابن حجر، احمد بن علی، عسقلانی، المطالب العالیۃ، کتاب العلم، باب الترغیب فی طلب العلم والحث علیہ، حدیث نمبر: ۳۱۵۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(۲) سورۃ محمد: ۸

اسی طرح ہم پر یہ بھی لازم ہے کہ جو کچھ ہم نے سیکھا ہے، اسے اپنی عملی زندگی میں تطبیق بھی دیں، صرف باتیں اور دعوے ہی کرنا اہل اِسلام کے شایانِ شان اور لائق نہیں کیونکہ جب عمل قول کی تصدیق نہ کرے تو قائل کی بات مثبت اَثر نہیں رکھتی بلکہ اس کی دعوت کے اثرات برعکس ہوسکتے ہیں۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنوا لِمَ تَقولونَ ما لا تَفعَلونَ كَبُرَ مَقتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقولوا ما لا تَفعَلونَ﴾[(١)].

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔

ہر رسول جب بھی اپنی قوم سے مخاطب ہوئے تو فرمایا:

﴿اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ﴾[(٢)].

تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں۔

اور اصلاح احوال کے حوالے سے امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مقولہ مشعل راہ ہے:

«لَا يُصْلِحُ آخرَ هذه الأمة إلا ما أَصْلَحَ أَوَّلَهَا»[(٣)].

اس امت کے پچھلوں کی اصلاح بھی اسی طرح ممکن ہے جس طرح اس کے اگلوں کی ہوئی تھی۔

٤- اسلاف صالحین کا تعارف

نوجوانوں کو اپنے اسلاف کی سیرت کا مکمل تعارف ہونا چاہیے کہ ان خوبصورت وجودوں نے کس طرح اپنے اپنے ماحول میں نامساعد حالات کے باوجود صراط مستقیم پر گامزن رہ کر دکھایا اور دین اسلام کی طرف دعوت بھی دیتے رہے اور ان اسلاف میں سر فہرست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور پھر تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین اور محدثین، مفسرین، فقہاء اور مورخین وغیرہ شامل ہیں اور اس حوالے سے حافظ ذہبی کی کتاب سیر اعلام النبلاء امتیازی صفات کی حامل ہے۔ نوجوان طبقہ کو جب اس امر کا علم ہوگا کہ ان کے سابقین کس طرح کی زندگی گزار کر عظمتوں کے دروس دے کر زندہ جاوید ہوگئے تو اس ان کے لیے باعث تشجیع وترغیب ہوگا ورنہ ہمارے نوجوانوں کے آئیڈیلز فلمی سٹار اور کھلاڑی ہی ہوں گے جس سے دین وملک دونوں کو شدید نقصان ہے۔

٥- معیاری واصلاحی کتب

کتب میں مفید اور ضار ہر دو قسم کی کتب شامل ہیں اور مطالعہ کتب کے اثرات سے انکار ممکن ہی نہیں۔

---

(١) سورۃ الصف:٢-٣

(٢) سورۃ الحشر:٧

(٣) ابن تیمیہ، تقی الدین، أبو العباس، أحمد بن عبد الحلیم، اقتضاء الصراط المستقیم، مکتبۃ الرشد، ریاض، ٢/ ٦٢٧

درحقیت علم انسان کا امتیاز ہی نہیں بلکہ اس کی بنیادی ضرورت بھی ہے جس کی تکمیل کا واحد ذریعہ مطالعہ ہے، ایک پڑھے لکھے نوجوان کے لیے معاشرہ کی تعمیر و ترقی کا فریضہ بھی اہم ہے اس کے لیے مطالعہ سماجی ضرورت بھی ہے۔ اسی طرح ایک مفکر کہتا ہے: "کتابوں کا مطالعہ انسان کی شخصیت کو ارتقاء کی بلند منزلوں تک پہنچانے کا اہم ذریعہ، حصول علم و معلومات کا وسیلہ اور عملی تجرباتی سرمایہ کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے اور ذہن و فکر کو روشنی فراہم کرنے کا معروف ذریعہ ہے۔ کتابوں سے جہاں معلومات میں اضافہ اور راہ عمل کی جستجو ہوتی ہے وہیں اس کا مطالعہ ذوق میں بالیدگی، طبیعت میں نشاط، نگاہوں میں تیزی اور ذہن و دماغ کو تازگی بھی بخشتا ہے۔" (۱)

معیاری و اصلاحی کتب کے کے حوالے سے دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔

اول: انتظامیہ، پبلشرز، بک سیلرز کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نوجوانوں کو معیاری لٹریچر مہیا کریں۔

یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ کتاب ایمان سوز اور اخلاق سوز نہ ہو؛ اس لیے کہ مطالعہ ہی کے غلط رخ نے عبد الماجد دریابادی کو ارتداد میں دھکیل دیا تھا لیکن بعد میں اسی شخص کے مطالعہ کی سمت جب درست ہوئی تو عبد الماجد مولانا عبد الماجد ہو گئے اور مفسر قرآن اس شخص کے نام کا جزو لاینفک بن گیا؛ اسلیے معتبر و مستند مصنّفین ہی کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

دوم: نوجوان ان مفید اور معیاری لٹریچر کا مطالعہ کریں۔

اس سلسلے میں اساتذہ کی رہنمائی بھی بڑی کارآمد ہوتی ہے، مفکر اسلام علی میاں ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مطالعہ وسیع کیجئے! اور اس کے لیے.... ان اساتذہ سے جن سے آپ کا رابطہ ہے، مشورہ لیجئے.... یہ ایک پل صراط ہے اس پر سبک روی اور بہت احتیاط کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے"۔ (۲)

نعیم صدیقی صاحب لکھتے ہیں: "بنیادی طور پر قرآن و حدیث اور ان سے متعلق علوم پر جس حد تک ممکن ہو نگاہ ہونی چاہئے... پھر رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور صحابہ کرام کے سیر پر نظر ہونی چاہئے... ضروری ہے مطالعہ کا سفر کرنے والا ہر شخص کم از کم اپنے ملک اور اپنی قوم؛ بلکہ اپنی تہذیب کے ادبیات سے واقف ہو"۔ (۳)

اسی طرح مطالعہ میں ترتیب کی رعایت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس لیے مطالعہ کے معیار کو بتدریج بڑھایا جائے، ایسا نہ ہو کہ نورانی قاعدہ تو پڑھا نہیں اور قرآن شریف ہی پڑھنا شروع کر دیا۔

حاصل مطالعہ: مطالعہ کے ساتھ ساتھ حاصل مطالعہ کو ذہن نشین کرنے کی تدبیر بھی ضروری ہے۔ علم

---

(۱) محمد زبیر، ڈاکٹر، اہمیت مطالعہ، لکھنو، ۲۰۰۱ء، ص:۹۸

(۲) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام تعلیم، خطبات بہاولپور، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، ص:۱۹۱

(۳) محمد احمد زبیری، کن کتب کا مطالعہ کیا جائے، کانپور انڈیا، ص: ۳۷

ومعلومات کی مثال ایک شکار کی سی ہے لہٰذا اسے فوراً قابو میں کرنا چاہیے، اس لیے مطالعہ کے دوران قلم کاپی لے کر خاص خاص باتوں کو نوٹ کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے ورنہ بعد میں ایک چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ نہیں ملتی ہے۔ اب یا تو سرے سے بات ہی ذہن سے نکل جاتی ہے یا یاد تو رہتی ہے لیکن حوالہ دماغ سے غائب ہو جاتا ہے۔ یاد رکھنے کے قابل باتیں ہمیں دوران مطالعہ کتاب کے اہم مقامات پر نشان لگا کر کتاب کی پشت پر سادہ اوراق میں اہم نکات نوٹ کر کے یا کاپی پر نوٹ کر کے محفوظ کر لینی چاہیے۔(۱)

٦-اصلاحی تقریبات

اسلام میں دینی معلومات کی تبلیغ و نشر و اشاعت کی اساسی حیثیت ہے، ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق اس کو انجام دینے کا مکلف ہے اور اس میں سے اہم مسجد سے تعلق رکھنا ہے یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی، خیر القرون اور سلف صالحین کے دور میں فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعوت و تبلیغ سے کبھی بھی تغافل نہیں برتا گیا ان محافل میں قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی تھی اور نوخیز نسل کی صحیح اسلامی تربیت اور مسلمانوں کے تزکیہ نفس کا انتظام ہوتا تھا، یہیں پر لوگوں کے اخلاق سنوارے جاتے تھے اور دینی خطوط پر ان کی ذہن سازی ہوتی تھی، لہٰذا دینی پروگراموں کے حوالے سے کچھ امور کو مد نظر رکھ لیا جائے تو اس کے اثرات مزید مفید ہو سکتے ہیں ۔

١. خطبات جمعہ
٢. قرآن وحدیث کے درس کا اہتمام
٣. خواتین کے لئے دعوتی پروگرام کا انتظام کرنا
۴. اصلاحی کمیٹی کا قیام
۵. بچوں کی تعلیم و تربیت کا نظم
٦. مختصر دار المطالعہ کا قیام
٧. محلہ کی تقریبات سے دعوت و تبلیغ کیلئے استفادہ کرنا

٧-غیر اخلاقی ٹی وی چینلز، ویب سائٹس سے دوری

غیر اخلاقی ٹی وی چینلز اور ویب سائٹس سے دوری میں اصل اور بنیادی کردار انتظامیہ کا ہے جس کے لیے کنٹرول اتھارٹی پیمرا کو ایسے تمام ذرائع پر پابندی لگانی چاہیے جس کی وجہ سے نوجوان کی اخلاقی اقدار مسخ ہو رہی ہیں اور وہ دن بدن اسلامی اقدار سے دور سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے کیونکہ سائنس کی ترقی اور جدید وسائل نے نوجوان طبقے پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اور ان کا زیادہ تر وقت ٹی وی، کمپیوٹر، موبائل فون یا انٹرنیٹ پر گزرتا

---

(١) ایضاً، ص:١٣٠

ہے۔ یہ ایک مسلم امر ہے کہ نوجوان طبقہ گزشتہ کئی برسوں سے انٹرنیٹ اور دیگر مواصلاتی و ابلاغ کے منفی استعمال میں حد اعتدال سے تجاوز کر چکا ہے اور بیشتر گھرانوں میں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی غالب اکثریت اپنی فیملی کی موجودگی میں بھی "ایس ایم ایس" اور "مس کالز" میں مصروف ہوتے ہیں لیکن انھیں تنبیہ کرنے کا رواج دکھائی نہیں دیتا۔ نتیجے میں بے راہ روی اور اخلاق سوز واقعات بڑھتے جارہے ہیں اور دور دور تک ان کی سدھار کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی۔

جب ہمارا معاشرتی ڈھانچہ اپنی روایات واقدار کی پوری طاقت کے ساتھ سر اٹھائے کھڑا تھا تب ہماری نانیاں، دادیاں بچوں کو قصے کہانیوں کے ذریعے اچھائی اور برائی میں تمیز سکھاتی تھیں۔ ان کی جگہ اب انٹرنیٹ، ٹی وی، کمپیوٹر اور موبائل فونز نے لے لی ہے، جو اچھائی سے زیادہ برائی کی ترغیب کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ سوشل نیٹ ورکنگ پر ویڈیو چیٹ، گپ شپ اور غیر ذمے دار ٹی وی چینلز پر غیر ملکی اور فحش فلمیں اور ڈرامے بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھنے والے بچوں کو بے راہ روی کے نت نئے طریقوں سے روشناس کر رہے ہیں۔ اس خرابی، بے راہ روی، اور تباہی کے ذمے دار صرف والدین نہیں ہمارا سماج اور ہماری حکومت بھی ذمے دار ہے، ان لوگوں کے ہوتے یا ان کے صرف نظر کی باعث ہماری ینگ جنریشن کی اکثریت کے دل و دماغ میں منفی جذبات پرورش پانے لگے ہیں جس کا عملی مظاہرہ ہم دہشت گردی، انتہا پسندی، تخریب کاری اور بڑھتی ہوئی اخلاقی بے راہ روی کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ حال ہی میں کراچی کے ایک اسکول میں پیش آنے والا واقعہ جس میں کراچی کے علاقے پٹیل پاڑہ میں واقع نجی اسکول میں زیر تعلیم لڑکے نے لڑکی کو قتل کرنے کے بعد خود بھی اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔[۱]

یہ واقعہ والدین کو دعوت فکر دیتا ہے کہ وہ اپنے بچوں سے رابطے میں رہیں ان کی نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھیں، ان کی پسند وناپسند پر دھیان دیں اور انھیں دینی تعلیمات اور اخلاقی اقدار سے دور نہ ہونے دیں۔

نئی نسل میں انٹرنیٹ اور ٹی وی کا حد سے زیادہ استعمال بھی خودکشی کو جنم دیتا ہے۔ بیشتر والدین ان حالات میں بچوں کو سمجھانے کے بجائے ان کی پٹائی کرتے ہیں۔ والدین بچوں کو مارپیٹ کر سمجھتے ہیں کہ بچے نے اب وہ بری چیز ترک کر دی ہے حالانکہ بچہ وہ چیز ترک نہیں کرتا بلکہ والدین سے دور ہو جاتا ہے۔ اس لیے والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں سے رابطہ رکھیں، ان سے ان کی تنہائی شیئر کریں، ان کے مسائل کو سنیں، انھیں ڈرانے کے بجائے طاقت بخشیں اور اچھی اور بری چیزوں کے بارے میں بتائیں تو بچے بری چیزیں نہ صرف چھوڑ دیتے ہیں بلکہ غلط فیصلے بھی نہیں کرتے۔[۲]

---

(۱) روزنامہ ایکسپریس، منگل یکم ستمبر ۲۰۱۵ء: https://www.express.pk/story/388093

(۲) حمیری، احمد، العقوبۃ فی التعلیم، دار الکتب الاسلامیہ، ریاض، ۲۰۰۹ء، ص:۸۹

٨-ثقافتی یلغار کا مقابلہ

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس کا اہم ترین پہلو ثقافت ہے جس کا تعلق عقائد، معاملات اور اخلاقیات سے ہے لہٰذا اسلام نے اس میں بھی مکمل رہنمائی عطا کی ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے نوجوان اپنے معاملات کو اپنے ضابطہ حیات "دین اسلام" سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں، مادّہ اور لذت پرستی پر مبنی لادین تہذیب کو ردّ کر دیں کیونکہ غیر اسلامی ثقافتی یلغار نے ہمارے نوجوانوں کی ثقافت کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے اگر اس غیر اسلامی ثقافتی یلغار کو مقابلہ کرنا ہے تو معاشرے میں دین دار طبقے کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اس کے مقابلے میں دین سے دور یا دین سے بیزار لوگوں کی حوصلہ شکنی کی جائے کیونکہ معاشرے میں دیندار لوگوں کی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں ان کے اثرات معاشرے میں بڑھنا شروع ہو جائیں گے اور نوجوان طبقہ ان کی راہ کو اختیار کرنے کو ترجیح دے گا۔اس امر کو مد نظر رکھا جائے کہ کسی غیر مسلم قوم کی ثقافت کے ساتھ مشابہت کا مطلب اسی قوم کی حمایت کرنا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»[1].

جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہو گا

اُمتِ مسلمہ کی کامیابی اور تہذیبی چیلنجز کا حل اس امر میں ہے کہ نوجوان اُسوۂ رسول اللہ ﷺ پر مضبوطی سے کاربند ہو جائیں۔ مغربی تہذیب سے مرعوب تجدد پسند طبقہ کے فکری انتشار کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسے باصلاحیت نوجوان تیار کرنے کی ضرورت ہے جو ایک طرف مغربی تہذیب پر گہری نظر رکھتے ہوں، انگریزی اور عربی زبان کے ماہر ہوں اور اس کے ساتھ وہ علوم شریعت سے بھی بہرہ ور ہوں اور پھر ایسے نوجوانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔دفاعِ اسلام کے لئے یکسو اور مخلص ہونے، وسائل کو مجتمع کرنے اور نوجوانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی جس قدر ضرورت آج ہے، شاید کبھی نہیں تھی۔

لہٰذا اصلاح احوال میں نوجوانوں کو ثقافت کے اصل مفہوم سے آگاہ کرنا بہت ضروری ہے اور اس کا تعلق ایمانیات سے جوڑنا ہے۔ نوجوانوں کیلئے جوانی اور نشاط کے مرحلے میں اصولِ زندگی، تبدیل ہوتے حالات اور گزرتے ایام سے سبق حاصل کرنا چاہیے چنانچہ اپنی جوانی میں بڑھاپے کیلئے اور صحت کے ایام میں بیماری کے دنوں کیلئے کچھ کر لینا چاہیے، انہیں اپنی حالیہ حالت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کیونکہ جوانی کے بعد بڑھاپا، قوت کے بعد کمزوری اور صحت کے بعد مرض کا خدشہ لاحق رہتا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

---

(١) سنن ترمذی، ابواب الاستئذان والآداب عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی کراھیۃ إشارۃ الید بالسلام، حدیث نمبر:٢٦٨٨، ٦/١٤٤

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ﴾(۱).

اللہ ہی ہے جس نے ضعف کی حالت سے تمہاری پیدائش کی ابتداء کی پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں کمزور اور بوڑھا کر دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اغْتَنِم خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ؛ شبابَكَ قبلَ هَرَمِكَ، وصِحَّتَكَ قبلَ سَقَمِكَ، وغِنَاكَ قبلَ فقرِكَ، وفراغَكَ قبلَ شغلِكَ، وحياتَكَ قبلَ موتِكَ»(۲).

۹۔خود اعتمادی:

خود اعتمادی ایک ایسی انسانی صفت ہے جس سے ہر شخص مالامال ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ خود اعتمادی درحقیقت زندگی کے مجموعی تجربات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مثبت تجربات جہاں ہمارے اعتماد کو پختہ کرتے ہیں وہیں منفی تجربات ہمیں ناکامی سے دوچار کراتے ہیں اور ہمارے اندر خود اعتمادی ختم کر دیتے ہیں۔

ایک صحت مند شخصیت بننے کی کنجی یہ ہے کہ اپنی قابلیت اور صلاحیت کے شعبوں میں اعتماد پیدا کیا جائے اور جس شعبے میں بھی آپ کی قابلیت کم ہو اس کے بارے میں عدم اعتماد کا شکار ہونے کے بجائے آپ اس کی طرف توجہ نہ دیں اور خود اعتمادی حاصل کرنے کا سب سے پہلا طریقہ اپنے دین کے ساتھ مضبوط وابستگی اختیار کرنے میں ہے۔ اس کے پس منظر میں یہ فکر کارفرما ہے کہ اسلام کا عطا کردہ نظام بہترین، مکمل اور جامع نظام حیات ہے جو انسان کی تمام تر فطری ضروریات وحاجیات کی تکمیل کرتا ہے۔

خلاصہ ءکلام

عالم اسلام کی ثقافت توحید، رسالت اور فکر آخرت کی اساس پر قائم ہے اور عفت وعصمت کے ستونوں پر کھڑی ہے جبکہ اس کے بالمقابل مغربی ثقافت مادیت پرستی پر مشتمل ہے ان کے نزدیک اصل زندگی دنیا ہی کی زندگی ہے۔ ہر کامیابی دنیا کی اور ہر ناکامی دنیا ہی کی ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے زوال اور اس سے باہر آنے میں ناکامی کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ ایک داخلی کہ اسلامی اقدار سے ہمارے نوجوانوں کی وابستگی مضبوط نہیں اور دوسری وجہ خارجی ہے کہ مادّہ پرستی کی ہوس میں ہمارے ہاں اجنبی، سیاسی اور اقتصادی نظام سوشلزم اور لادین جمہوریت کی صورت میں

(۱) سورۃ الروم:۵۴

(۲) مستدرک حاکم، کتاب الرقاق، حدیث نمبر:۷۹۱۶، ۴/۳۴۱

رائج ہوئے تو ان کے پردہ میں "مغربی تہذیب" نے ہم پر لبرل ازم کے نعرہ سے اپنی یلغار کر دی۔

ہماری کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہمارے نوجوان اپنے ضابطہ حیات "دین اسلام" سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں، مادّہ اور لذت پرستی پر مبنی لادین تہذیب کو رڈ کر دیں۔

اُمتِ مسلمہ کی کامیابی اور تہذیبی چیلنجز کا حل اس امر میں ہے کہ نوجوان اُسوۂ رسول اللہ ﷺ پر مضبوطی سے کاربند ہو جائیں۔ مغربی تہذیب سے مرعوب تجدد پسند طبقہ کے فکری انتشار کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسے باصلاحیت نوجوان تیار کرنے کی ضرورت ہے جو ایک طرف مغربی تہذیب پر گہری نظر رکھتے ہوں، انگریزی اور عربی زبان کے ماہر ہوں اور اس کے ساتھ وہ علومِ شریعت سے بھی بہرہ ور ہوں اور پھر ایسے نوجوانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ دفاعِ اسلام کے لئے یکسو اور مخلص ہونے، وسائل کو مجتمع کرنے اور نوجوانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی جس قدر ضرورت آج ہے، شاید کبھی نہیں تھی۔

لہٰذا اصلاح احوال میں نوجوانوں کو ثقافت کے اصل مفہوم سے آگاہ کرنا بہت ضروری ہے اور اس کا تعلق ایمانیات سے جوڑنا ہے نوجوانوں کیلئے جوانی اور نشاط کے مرحلے میں اصولِ زندگی، تبدیل ہوتے حالات، اور گزرتے ایام سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

❁ ❁ ❁

متوازن شخصیت : تعلیم وتربیت کا نبوی اصول

Balanced Personality: As Principle of Prophetic Teachings for Character Building

ڈاکٹر حافظ عبدالقیوم*

ABSTRACT

A child born with a soul of being, but has lack of personality. Actually personality comes with the effect of good education, guidance, squatter and environment in which a child lives. But literally due to the teachings of Hinduism or Buddhism or Christianity a human existence proves oneself with a personality. Even western civilization has an ideal concept of personality, but human personality has its very strong roots in Islamic teachings as Holy Qur'ān gives us a first-hand description about an "Ideal Personality".

According to the "Sunnah" of Prophet Muhammad (ﷺ) man has some qualities of "moderation" which can be the dominant in excess of his existence. So, man should establish equilibrium regards his personality. But there is need to create stability in education, society and politics on the basis of "moderation".

Islam lays a great emphasis on character building. Balanced personality is based on all the best qualities of head and heart. Our Holly Prophet's (ﷺ) personality is an excellent example of balanced personality.

In Islamic perspective just to accept the characteristics and Sunnah of Muhammad (ﷺ) can be equal to the modern word of personality. But have we absorbed the ultimate concept of personality? Which personality can we call an ideal personality? These two questions are very significant to wonder about on the concept of ideal personality. Every religion and civilization has its own true meaning of ideal personality, but besides all this according to Quran the ideal personality is concealed in a word "Sunnah". The article highlights on basic characteristics of ideal personality in the light of teachings of Holly Prophet (ﷺ). Balanced and Moderate personality is the basic principle of Prophets Teachings.

Keywords: *Personality, Superman, Charismatic Personality, Perfect person*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

دنیا کے تمام مذاہب و ادیان میں جو تصور انسان پایا جاتا ہے وہ اس کی تعلیم و تربیت کا عکس اور مقصود ہوتا ہے، وہی انسان کسی بھی مذہب و ملت کا مقصود ہے، اسی تصور انسان کو مختلف ادیان و مذاہب میں مختلف نام دیے گئے ہیں جیسے انسان کامل، مافوق البشر اور فردِ حقیقی وغیرہ۔

یہ انسان کن خصائص و امتیازات کا حامل ہونا چاہیے ؟ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا تربیت یافتہ نوجوان کن خصوصیات کا حامل تھا؟ تفصیل طلب بحث ہے۔ اس مقالہ میں ان شاء اللہ اسی بات کا جائزہ لیا جائے گا۔

وجود و شخصیت میں فرق

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا وجود ہوتا ہے مگر شخصیت نہیں ہوتی۔ شخصیت تعلیم و تربیت، زمان و مکان اور ماحول کے اثرات کے تحت پیدا ہوتی ہے۔ ہندو مت ہو یا بدھ مت، یہودیت ہو یا نصرانیت، ان مذاہب کی تعلیمات کے نتیجہ میں انسانی وجود شخصیت میں ڈھل جاتا ہے۔ روشن خیالی کے فلسفہ کے زیر اثر معرض وجود میں آنے والی مغربی تہذیب بھی اپنا تصور شخصیت رکھتی ہے، اسی طرح اسلامی تعلیمات کے نتیجہ میں بھی انسانی شخصیت کا تصور پایا جاتا ہے جس پر قرآن و سنت شاہد ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا تربیت یافتہ فرد جن اوصاف کا حامل تھا اُن میں ”اعتدال“ کے وصف کو بنیادی اور مرکزی قرار دیا جا سکتا ہے جیسے دین و دنیا میں اعتدال، اخلاق و آداب میں اعتدال، تصور توحید و رسالت میں اعتدال وغیرہ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسی وصفِ ”اعتدال“ کی بنیاد پر تعلیم و تربیت، معاشرہ و سیاست استوار کرنے کی کوشش کی جائے۔

لفظ شخصیت جس کو انگریزی میں (Personality) کہا جاتا ہے۔ لاطینی لفظ (Personalitas) سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ ماسک ہے یعنی وہ نقلی چہرہ جو رومن تہذیب کے عہد میں ڈرامہ کے اداکار اپنے چہرہ پر چسپاں کر لیتے تھے۔ جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ لفظ ظاہری خد و خال اور حرکات و سکنات کے لیے مستعمل تھا مگر یہ تصور لفظ ”شخصیت“ کے حقیقی معنی ادا کرنے سے قاصر ہے۔

شخصیت کی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے:

> "The combination of characteristics or qualities that form an individual's distinctive character."(1)

> یہ بات واضح رہے کہ ”شخصیت“ ایک معروضی حیثیت رکھنے والا لفظ ہے، انسان جب مرتا ہے تو اس کا وجود رخصت ہوتا ہے مگر اس کی شخصیت لوگوں کے اذہان و قلوب میں قائم رہتی ہے۔

شخصیت اور اس کے مترادفات

شخص سے مراد تمام افعال کی اکائی، یکجہتی اور وحدت ہے۔ ”شخص“ ذی عقل کو کہا جاتا ہے، لہٰذا صرف روح

---

(۱) Oxford Advanced Learner's Dictionary of Current English, 4th edition, 7th impression, Oxford University Press, 1993, p. 923.

کو شخص نہیں کہا جا سکتا، صرف انسان ہی شخص ہو سکتا ہے اور مادی اشیا میں وہ بلند ترین ہستی ہے۔

اسلامی روایت میں لفظ "شخصیت" اگرچہ موجودہ معنی میں مستعمل نہیں ہے مگر اسلامی روایت میں سیرت، سیرت سازی، مزاج، مزاج نبوی میں ڈھلنا کا تصور پایا جاتا ہے جس کو موجودہ تصورِ شخصیت کا مترادف کہا جا سکتا ہے۔ مگر " شخصیت " کا آئیڈیل تصور کیا ہے ؟ کون سی شخصیت آئیڈیل قرار دی جا سکتی ہے ؟ ہر مذہب اور تہذیب اپنی تعلیمات اور وسائلِ تربیت کے نتیجہ میں ایک " آئیڈیل شخصیت " کا تصور رکھتی ہے۔ قرآن کریم پر غور کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے اور جو "شخصیت" کا قرآنی آئیڈیل تصور ہے، تو وہ لفظ "اسوہ حسنہ" میں پنہاں ہے، "اسوہ حسنہ" کا معنی بھی پیراہن اور لائق تقلید نمونہ کے ہیں، اس طرح اسلامی روایت میں "آئیڈیل شخصیت" کے تصور کی وضاحت کے لیے "انسان کامل" کے الفاظ بھی متداول ہیں۔

تعمیر شخصیت کے جدید مغربی نظریات

مغربی فکر و فلسفہ میں معروف فلسفی نٹشے[۱] (Friedrich Nietzsche) (م۔۱۹۰۰ء) کا "آئیڈیل شخصیت " کا تصور ما فوق البشر (Superman/Ubermensch) میں پایا جاتا ہے[۲] ۔ موجودہ دور میں "شخصیت" کے تصور کی وضاحت کے لیے جدید انسان (Modern Man) اور روایتی انسان (Traditional Man) کی اصطلاحات بھی متداول ہیں۔

ایک عام انسان کے ذہن میں شخصیت کے دو پہلو ہوتے ہیں :

الف۔ شخصیت کیسی ہوتی ہے ؟ ب۔ شخصیت کیسی ہونی چاہیے ؟

الف ۔ شخصیت کیسی ہوتی ہے ؟ اس لحاظ سے شخصیت فرد کے نفسیاتی اوصاف کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو مختلف اوقات میں اس کے کردار کے ظاہری اور پوشیدہ نمونوں پر مشتمل ہے ۔ اس طرح وُڈ ورتھ (Woodworth) کا کہنا ہے کہ "شخصیت فرد کے کرداری صفات کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جو اس کے خیالات کے اظہار، رویوں، دلچسپیوں، کارکردگی کے انداز اور نظریہ حیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں فرد کے تمام جسمانی مظاہر

---

(۱) نٹشے معروف جرمن فلسفی ہے جو ۱۸۴۴ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۰ میں وفات پائی۔ جن کا مغربی فکر و فلسفہ پر گہرا اثر ہے۔ نٹشے نے مغرب میں مرگِ خدا کا تصور دیا تھا کہ اب جدید انسان کو خدا کے سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ عبادت گاہیں تو ہوں گی مگر عبادت کرنے والے کم ہوتے جائیں گے، اس کے لیے دیکھیے نٹشہ کی کتاب :

(۲) Nietzsche, Friedrich Wilhelm, Genealogy of Morals, trans. W. Kaufman, (New York: Random House, 1967).

The Gay Science: With a Prelude in Rhymes and an Appendix of Songs by Friedrich Nietzsche; translated, with commentary, by Walter Kaufmann (Vintage Books, March 1974).

اور پوشیدہ قابلیتوں کا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے"۔[1]

وجود کو کیسے شخصیت میں ڈھالا جائے ؟ اس کو کیسے سنوارا جائے کہ ایک بامعنی، اخلاق حسنہ سے مزین شخصیت پروان چڑھ سکے ؟ اس سلسلہ میں مغربی دنیامیں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

الف۔ جبلی وفطری نظریہ (Instinctive in Nature)۔

ب۔ معاشرتی/ساختیت (Structuralism) کا نظریہ۔

ج۔ پرکشش نمونہ کا کردار (Role of Charismatic Personality)

جبلی وفطری نظریہ (Instinctive in Nature)

میکڈوگل (William McDogill) نے نظریہ جبلت پیش کیا تھا جس کے مطابق انسان کی فطرت میں تمام تر وہی جبلتیں کام کرتی ہیں جو حیوانات میں پائی جاتی ہیں، نیز انسان کی ساری حرکات وسکنات کا سرچشمہ جبلتیں قرار پاتی ہیں۔ انسان کے ذہن میں بعض پیدائشی یا موروثی رجحان پائے جاتے ہیں جو کلی خیالات اور تحریکی قوتوں کا منبع ہیں، اسی پیدائشی و موروثی نفسی اور طبعی میلان کا نام جبلت ہے۔ اس میلان میں سخت قسم کی تصادمی قوت ہوتی ہے اور یہی ذہنی قوتیں ہیں جو انسان کی شخصی و معاشرتی زندگی کو برقرار رکھتی اور صورت بخشتی ہیں۔[2]

معاشرتی/ساختیت کا نظریہ (Structuralism)

معاشرتی یا ساختیاتی نظریہ کے مطابق کسی شخصیت کی ساخت کو بنانے، سنوارنے اور نکھارنے میں اس کے متعلقہ گروپ اور معاشرے کے افراد کے عمومی رجحان اور رویوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انسانی فکر اور زندگی کا انداز اور طریقے معاشرتی طلب کے مطابق بن جاتے ہیں کیوں کہ سنورنا، نکھرنا اور پھر شخصیت میں ڈھلنا ایک معاشرتی ضرورت بن جاتی ہے۔

پرکشش نمونہ کا کردار (Role of Charismatic Personality)

اس نمونہ میں فرد ایک پرکشش ماڈل ڈھونڈ کر اس کی پیروی کرنے لگتا ہے۔

قرآن کریم کا تصور شخصیت

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم نظریہ جبلت اور ساختیاتی نظریہ کی بجائے تیسرے ماڈل کو ترجیح دیتا ہے۔

---

(١) Woodworth R. S. & Marquis G.G, Psychology, London Methuer & co., 1988, p. 34.

(٢) McDougall, William, An Introduction to Social Psychology, J.W. Luce & Company, 1916, p. 35.

میکڈوگل، معاشرتی نفسیات، ترجمہ: مرزا محمد ہادی، طبع جامعہ حیدرآباد دکن، ١٩٢٧ء، ص: ٤١

اس کے لیے قرآن کریم میں "اسوہ"، "اطاعت" اور "اتباع" جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآنی اصطلاح اسوہ کا معنی بھی نمونہ (Model)، مثال (Example) معیار اور سانچہ (Pattern) ہی کے ہیں۔ لفظ "اُسوۃ" اور "اِسوۃ" دراصل الفاظ "قُدوَۃ، قِدوَۃ"، "اِخوَۃ" کے وزن پر ہے، جس کے معنی انسان کی اس حالت کے ہیں جس میں وہ دوسرے کا متبع ہوتا ہے، خواہ وہ حالت اچھی ہو یا بری، سرور بخش ہو یا تکلیف دہ۔ اسی لیے آیت کریمہ

﴿لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللهِ أُسوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۱)

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔

میں لفظ "اُسوۃ" کی صفت "حَسَنَة" لائی گئی ہے۔ ابوالبقاء (م۔۱۰۹۴ھ)(۲) لکھتے ہیں:

"الحَالَةُ الَّتِي يَكُونُ الاِنسَانُ عَلَيهَا فِي اِتِّبَاعِ غَيرِهِ اِنْ حَسَناً واِنْ قَبِيحَاً۔"(۳)

ایسی حالت کو کہتے جس میں انسان کسی دوسرے شخص کی اچھے یا برے طریقے میں پیروی کرے۔

یہ وجہ ہے اردو اور انگریزی مترجمین قرآن کے لفظ "اسوۃ "کا ترجمہ "نمونہ" سے کرتے ہیں۔ عبدالماجد دریابادی ترجمہ کرتے ہیں: "تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔"(۴)

پکتھال ترجمہ مثال (Example) کے لفظ سے کرتے ہیں:

"Verily in the messenger of Allah ye have a good example for him". (5)

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اسوہ کے معنی "ماڈل"، "نمونہ" اور "سانچہ" کے ہیں تو قرآن کریم میں یہ لفظ تین نمونوں (ماڈلز) کے لیے استعمال ہوا ہے:

الف۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے زندگی کے چھوٹے بڑے سارے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا اور پیروی کے وجوب پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) سورۃ الاحزاب:۲۱

(۲) ابوالبقاء معروف ماہر لغت ہیں، اپنے عہد میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہے، مسلکاً حنفی تھے، فقہ حنفی کے اصول و فروع پر کامل دسترس رکھتے تھے، بخوبی آگاہ، ۱۰۲۸ھ میں پیدا، اور ۱۰۹۴ھ میں فوت ہوئے۔

(۳) کفوی، ابوالبقاء، ایوب بن موسیٰ، الکلیات معجم فی المصطلحات والفروق اللغویہ، تحقیق عدنان درویش و محمد المصری، ذوی القربیٰ، ایران، ۱۴۳۳ھ، ص:۹۴

(۴) دریا آبادی، عبدالماجد، القرآن الحکیم مع ترجمہ و تفسیر، تاج کمپنی کراچی، لاہور، ص:۸۴۴

(۵) Pickthall, Mohammed Marmaduke, Quran: The Meaning of The Glorious Quran, New American Library, 2015.

''هَذِهِ الْآيَة الْكَرِيمَة أَصْل كَبِير فِي التَّأَسِّي بِرَسُولِ الله ﷺ فِي أَقْوَاله وَأَفْعَاله وَأَحْوَاله''۔ (١)

یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام اقوال، افعال واحوال پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔

ب۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ بھی انسانوں کے لیے نمونہ اور ماڈل قرار دیا گیا ہے :

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَة حَسَنَةٌ فِیْ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَه﴾ (٢)

تمہارے لیے سیدنا ابراہیم اور ان کے شریکِ حال لوگوں میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔

ج۔ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور آخرت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں ان کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ أُسْوَة حَسَنَة لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (٣)

بے شک ان لوگوں میں تمہارے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے۔

اس لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے بعد ان انبیاء کی تعلیمات پر عمل پیرا اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کے ساتھ ساتھ آخرت کی جواب دہی رکھنے والے یعنی اہل ایمان لوگ اسلامی معاشرہ کے لیے نمونہ قرار پا سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام تعلیم میں صرف علوم ہی اگلی نسل کو منتقل نہیں کیے جاتے بلکہ نبی کریم ﷺ کا نمونہ بھی منتقل کیا جاتا ہے جو سنتوں کی شکل میں احادیث مبارکہ میں محفوظ چلا آرہا ہے۔

شخصیت کی تعمیر کا اسلامی منہج

انسانی شخصیت کی نشوونما میں تصور کائنات، تصور انسان اور اس کا ماحول سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں، یہ عناصر ثلاثہ ذہن سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اس ذہن سازی میں تعلیم وتربیت ہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

الف: اسلام دین فطرت

اللہ تعالیٰ کا ہر انسان سے تقاضا ہے کہ اس کا پسندیدہ فرد قرار پائے، اس لحاظ سے دین اسلام کی تعلیمات کا اگر

---

(١) ابن کثیر، ابو الفداء، عماد الدین، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، طبع دوم، دار طیبہ للنشر والتوزیع، ریاض، ١٩٩٩م، ٣٩١/٦

(٢) سورۃ الممتحنہ: ٣

(٣) سورۃ الممتحنہ: ٦

نظری طور پر جائزہ لیا جائے تو پہلی بات یہ سامنے آتی ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی واحد دینِ فطرت ہے کیونکہ انسان عدم اور وجود کی کشمکش میں رہ کر زندگی گزارتا ہے۔ ظلم اور جہل اگر عدم کا نام ہے تو عدل اور علم وجود سے موسوم ہے، اسی طرح ایجاب اگر وجود کا نام ہے تو اس کے مقابل منفی اور سلبی ہونا عدم کہلاتا ہے۔ بچہ کی پیدائش دراصل اس کا عدم سے وجود میں آنا ہے تو وجودی چیز ہی اس کی سرشت کا جزو اور فطرت کا تقاضا بن سکتی ہے، عدم جس کے خانہ کو وہ خالی کر رہا ہے تقاضائے فطرت نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اسلام اور کفر میں اسلام وجودی ٹھہرتا ہے اور کفر عدم، کیوں کہ اسلام تمام انبیاء کو ماننے کا نام ہے اور کفر انکار کا نام ہے لہٰذا ان میں جو وجودی ہوگا وہ تقاضائے فطرت ہوگا، سلب اور نفی قطعاً تقاضائے فطرت نہیں ہو سکتا، اسی لیے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (۱)

اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے

نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے :

«عَنْ اَبِيْ هرَيْرَة قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ:مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلىٰ الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ» (۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام بچے فطرت پر پیدا ہوتے ہیں پھر ان کے والدین ان کو یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں

اسلامی تعلیم و تربیت کا مقصد یہ ہے کہ ایسی کامل شخصیت (perfect man) ابھر کر سامنے آئے جو معتدل اور متوازن (moderate) ہو۔ اسی طرح اسلام میں تعلیم و تربیت کا مقصد طبائع انسانیہ میں ایسا اعتدال پیدا کرنا ہے جو نبی کریم ﷺ کی فکر و عمل اور اخلاق میں موجود تھا۔ انسانی اعمال و افعال دراصل اخلاق کی فرع ہوتے ہیں یعنی اعمال اخلاق سے پیدا ہوتے ہیں اور اعتدال کا محل اخلاق ہیں، جب کہ اخلاق تین قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں :

الف۔ قوت عقلیہ ب۔ قوت شہویہ ج۔ قوت غضبیہ۔

جن کا حاصل یہ ہے کہ اپنے نفع کے حصول اور ضرر کے دفع کے لیے خواہ وہ دنیوی ہوں یا اخروی، دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک وہ قوت کہ جس سے انسان اپنی منفعت و مضرت کو سمجھے، وہ قوت مدرکہ عقلیہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے، یہ قوت شہویہ کے ذریعے ہوگا۔ اسی طرح انسان ضرر کو دیکھ کر اس کو دفع قوت غضبیہ کے ذریعے کرے گا۔ ان تین قوتوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں اور ان اعمال کے مختلف درجے ہیں :

---

(۱) سورۃ روم:۳۰

(۲) مسلم، ابن حجاج، الامام، کتاب القدر، باب کل مولود یولد علی الفطرۃ، حدیث نمبر:۲۶۵۸، دار الغد الجدید، قاہرہ، ۲۰۰۷ء، ص:۹۴۶

الف۔ افراط ب۔ تفریط ج۔ اعتدال یا توازن

قوت عقلیہ کا درجہِ افراط "جربزہ" ہے، تفریط کا درجہ "سفاہت" کہلاتا ہے، جب کہ اعتدال کا درجہ "حکمت" کہلاتا ہے۔ اسی طرح قوتِ شہویہ کا درجہِ افراط "فجور" ہے تو تفریط کا پہلو "جمود" کہلاتا ہے اور اعتدال کا درجہ "عفت" ہے۔ قوتِ غضبیہ کا درجہِ افراط "تہور" ہے اور تفریط "جبن" ہے، جب کہ اعتدال کا درجہ "شجاعت" کہلاتا ہے۔ اس طرح یہ نو اوصاف ہوئے جو اخلاق حسنہ و رزیلہ کا حاصل ہے۔ اسلام کا مطلوب و مقصود انسان میں صفاتِ اعتدال یعنی حکمت، عفت اور شجاعت کا پیدا کرنا ہے، ان تین صفات کے مجموعہ کا نام "عدالت" ہے[1]، اسی لیے امتِ مسلمہ کا لقب امتِ وسط (Moderate Ummah) یعنی امتِ عادلہ و متوازن ہے۔

اسلام کے مقابل تمام مذاہب اور مغربی تہذیب انہیں درج بالا صفات میں افراط یا تفریط کا شکار ہو کر رہ گئی ہیں۔ اگر عیسائیت، ہندومت، بدھ مت، جین مت وغیرہ رہبانیت اور جوگی پن کی صورت میں افراط کا پہلو اپنائے ہوئے ہیں تو دوسری طرف معاصر مغربی تہذیب تفریط کا پہلو یعنی "وحی کے ذریعہِ علم ہونے کا انکار" کو اختیار کیے ہوئے ہے اور اسی پر نازاں ہے۔ اس طرح دنیا کے تمام مذاہب اور مغربی تہذیب سے ہٹ کر اسلام ہی انسانیت کے نام وہ واحد پیغام ہے جو اعتدال پر مبنی ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جو شخصیت نشوونما پائے گی وہی متوازن اور معتدل شخصیت کہلائے گی۔ ایسی ہی شخصیت کو "انسان کامل" کا نام دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان اوصافِ حمیدہ سے مزین اور اللہ کی پسندیدہ شخصیت کے عملی نظائر قرآن کریم میں موجود ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں بُرے اور سرکش لوگوں کا ذکر کیا ہے اور اُن پر اپنی لعنت اور غضب کا اظہار کیا ہے تو دوسری طرف اپنے پسندیدہ لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے اور ان پر اپنی رحمت و انعامات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان میں انبیاء کرام، صحابہ کرام اور دیگر لوگ جیسے حضرت لقمان، اصحاب کہف وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انہیں برگزیدہ ہستیوں کا عہدِ نوجوانی آج کے نوجوان کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی جن پسندیدہ شخصیات کو زیر بحث لایا گیا ہے اِن شخصیات کا مطالعہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں انسان کے لیے راہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ دنیوی زندگی ہو یا دینی، سیاسی پہلو ہو یا اقتصادی، معاشرتی پہلو ہو یا تربیتی، خوشی ہو یا غمی، نامساعد حالات ہوں یا سازگار، غرض زندگی کے نشیب و فراز سے متعلق اِن شخصیات سے عملی رہنمائی ملتی ہے۔

---

(١) قادر، سی، اے، اخلاقیات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ١٩٨٤، ص٢٢٩ اور تھانوی، اشرف علی، شریعت و طریقت، ترتیب: مولانا محمد دین، ادارہ اسلامیات، لاہور، دوسرا ایڈیشن، طبع ہشتم، ١٩٨١، ص: ٣١

ب:اعتدال سے متعلق نبی کریم ﷺ کی تعلیمات

آفاقی اقدار اور اصول میں سے ایک اصول معتدل و متوازن شخصیت سازی ہے ۔ اعتدال زندگی کے کسی ایک پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کائنات پر محیط ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ تخلیق کائنات کا مقصد ہی عدل و توازن کا قیام ہے تو یہ بات مبالغہ پر مبنی نہیں ہو گی، ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت "عدل" ہے۔ کائنات کی تخلیق اپنے اندر عدل کا پہلو رکھتی ہے، قرآن کریم کی تعلیمات کو اعتدال پر مبنی کہا گیا۔ انسان کی اپنی تخلیق میں عدل کا راز مضمر ہے، قرآن کریم میں انبیاء اور رسل کا مقصدِ بعثت اعتدال کا قیام بیان کیا گیا ہے، اس امت مسلمہ کو معتدل امت کے لقب سے نوازا گیا ہے، عبادات میں اعتدال کے پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے، معاملات زندگی میں عدل پر زور دیا گیا ہے، باقی مذاہب دنیا و آخرت میں سے ایک پہلو کو لیتے ہیں جب کہ اسلام دنیا و آخرت دونوں میں اعتدال رکھتا ہے، اس کی تعلیمات کسی ایک پہلو کی طرف جھکی ہوئی نہیں ہیں۔ جب اعتدال ہی زندگی کے تمام پہلو پر محیط ہے تو اعتدال ہی کے اصول پر شخصیت کی تعمیر انسانی زندگی کا خاصہ ٹھہرتا ہے۔

قرآن کریم میں دیگر ادیان و مذاہب اور فرق و نظریات (جیسے الحاد و دہریت وغیرہ) کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے صرف دو ہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں :

الف۔ ھَوٰی۔ ب۔ غلو

ادیان و فرق کے دو ہی رویے سامنے آتے ہیں کہ یا تو وہ "ھواہ یا نفس پرستی" کا شکار ہو کر "اعتدال" کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں، یا وہ دین میں "غلو" کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں کیوں کہ قرآن کریم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انبیاء و رسل کی تعلیمات تو اعتدال پر ہی مبنی ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں آیات کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جس میں "ھَوٰی" یعنی ذاتی خواہشات، نفسانی یا نفس امارہ کا اسیر ہو کر رہ جانا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ﴾ (۱)

کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ذاتی خواہش کو الٰہ بنایا ہوا ہے۔

یعنی اپنی خواہشات ہی کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں "غلو" کے متعلق متعدد بار فرمایا گیا ہے:

﴿يَاأَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ (۲)

اے اہل کتاب دین میں غلو مت کرو۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو عیسائیت اور یہودیت ایک طرف اور الحاد و دہریت دوسری طرف نظر آئیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سورۃ الفرقان:۴۳

(۲) سورۃ النساء:۱۷۱

«أَيُّهَا النَّاسُ!إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِيْ الدِّيْنِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوُّ فِيْ الدِّيْنِ» (١)

اے لوگو! دین میں حد سے بڑھنے سے بچو کیوں کہ تم سے پہلے لوگ دین میں حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«هلكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ، قَال ثَلاثاً» (٢)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ دہرایا کہ حد سے تجاوز کرنے والے ہلاک ہو گئے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَشُدُّوْا عَلىٰ أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدِ اللهُ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْماً شَدَّدُوْا عَلىٰ أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ عَلَيْهِمْ،...» (٣)

اپنے اوپر زیادہ سختی نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر سختی کرے گا کیوں کہ کچھ لوگوں نے اپنے اوپر سختی کی تو ان پر بھی سختی کی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایسی فکر جو افراط یا تفریط کا شکار ہو، کا مقابلہ کیا اور ان کے سامنے اپنی اعتدال پر مبنی تعلیمات پیش کیں، جیسا کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا واقعہ ہے کہ جنہوں نے زیادہ عبادت اور زیادہ ریاضت کا اہتمام کرنے کا عزم کیا تھا کہ ایک صحابی نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ روزے رکھیں گے اور کبھی بھی روزہ نہیں چھوڑیں گے، دوسرے صحابی نے ساری رات عبادت کرنے کا عزم کیا اور کہا کہ وہ سوئے گا نہیں اور تیسرے نے ساری زندگی کنوارہ رہنے کا عزم کیا، ان صحابہ کرام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح مخاطب ہوئے کہ:

«أَمَا وَاللهِ، إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ، وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» (٤)

میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں، زیادہ پرہیز گار ہوں لیکن روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، پس جو میری سنت سے منہ پھیرے گا تو وہ مجھ سے نہیں۔

---

(١) ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ ، کتاب المناسک، باب: قدر حصی الرمی، حدیث نمبر:٣٠٢٩، تحقیق: شعیب الأرناؤوط، دار الرسالۃ العالمیہ، دمشق، طبعہ اول،٢٠٠٩، ٤/ ١٦٣۔ محقق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

(٢) صحیح مسلم، کتاب العلم، باب: ھلک المتنطعون، حدیث نمبر: ٢٦٧٠، ص:٩٥٠

(٣) موصلی، ابو یعلی، احمد بن علی، مسند ابی یعلی، حدیث نمبر: ٣٦٩٤، تحقیق: حسین سلیم أسد، دار المأمون للتراث، دمشق، طبع اول: ١٩٨٤م، ٦/ ٣٦٥

(٤) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث نمبر: ٥٠٦٣، ادارہ اسلامیات، لاہور

نبی کریم ﷺ کے درج بالا ارشادات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام اعتدال کا دوسرا نام ہے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام بالخصوص نوجوان صحابہ کرام کی تربیت بھی اسی اصول پر فرمائی۔

«لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ، عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ، وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ» (۱)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز جب تک بندہ پانچ چیزوں کے بارے میں نہ سوال کر لیا جائے اس کا قدم اللہ رب العزت کے دربار سے ہٹ نہیں سکتا۔ (پہلا سوال) اس کی عمر کے بارے میں ہوگا کہ عمر کس کام میں گزاری؟ دوسرا سوال اس کی جوانی کے بارے میں جوانی کہاں خرچ کی؟ تیسرا سوال اس کے مال دولت کے بارے میں کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ پانچواں سوال جو علم حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا۔

اس روایت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دین و دنیا ہر دو پہلوؤں میں اعتدال کا دامن پکڑے رہنے کی تعلیم فرمائی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک نوجوان حد اعتدال سے گزر کر زنا کا مرتکب ہونا چاہتا تھا مگر نبی کریم ﷺ نے اس نوجوان کی بغیر سرزنش اور سختی کے بلکہ محبت اور خلوص سے تربیت فرمائی اور اعتدال کی تعلیم دی :

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تو اپنی ماں کے حق میں یہ بات پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا: بخدا ہرگز نہیں، اللہ مجھے آپ پر فدا کرے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ یہ بدکاری پسند نہیں کرتے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: اچھا تو کیا تو اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کرنا پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا بخدا ہرگز نہیں یارسول اللہ ﷺ، اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی یہ بات اپنی بیٹیوں سے پسند نہیں کرتے ہیں پھر آپ ﷺ نے پوچھا: تو کیا اپنے بہن کے ساتھ زناکاری پسند کرتے ہیں؟ اس نے کہا ہرگز نہیں؟ اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی یہ بات اپنی بہنوں سے پسند نہیں کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: تو کیا اپنی پھوپھی سے یہ

(۱) ترمذی، ابو عیسی، محمد بن عیسی، سنن، تحقیق: احمد شاکر وغیرہ، مطبع مصطفی البابی الحلبی، مصر، طبع دوم: ۱۹۷۵ء، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی شأن الحساب والقصاص، حدیث نمبر: ۲۴۱۶، علامہ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے

بات پسند کرتے ہیں؟اس نے کہا ہرگز نہیں؟[١]

اسی طرح درج ذیل روایت سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نوجوانوں کو حدِ اعتدال پر رہنے کا نسخہ تجویز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»[٢]

اے نوجوانو!تم میں سے جو کوئی شادی کر لینے کی قدرت وتوفیق رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ فورا شادی کرلے کیونکہ نکاح کر لینا انسان کی نگاہ کو گناہوں سے دور کر دیتا ہے۔ نکاح کر لینا شرم گاہ کو بدکاری سے محفوظ کر دیتا ہے اور جو شادی کی قدرت وتوفیق نہیں رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کی شہوت کو ختم کر دیتا ہے۔

خلاصہ بحث

قرآن کریم پر غور وفکر کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کا مقصود انسان کو شخصیت کے ایسے سانچہ میں ڈھالنا ہے جو زندگی میں اعتدال کے دامن کو تھامے رکھے وہ افراط کا شکار ہو اور نہ ہی تفریط کا۔ قرآن کریم کی اعتدال پر مبنی تعلیمات کی عملی صورت نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں نظر آتی ہے۔ معیشت وتجارت، سیاست ومعاشرت کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت بھی نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ آج اسلام دنیا کے تمام مذاہب اور معاصر مغربی تہذیب سے الگ اور منفرد تصور حیات رکھتا ہے۔ ضرورت ایسے اقدامات اور نصاب تعلیم کی ہے کہ جن کے سبب آج کا ہر نوجوان مسلمان بالخصوص پاکستانی نوجوان زندگی میں افراط وتفریط کا شکار نہ ہو سکے۔

تجاویز وسفارشات

١۔ وجود انسان کے بعد تعمیرِ شخصیت از حد ضروری ہے تاکہ حضرت انسان کو معاشرے کا ایک اہم فرد بنایا جا سکے۔ دورِ حاضر میں نسلِ نو کے اہم مسائل میں سے ایک عدمِ تعمیرِ شخصیت ہے۔ نوجوان نسل کے پاس بے پناہ صلاحیتیں تو ہیں مگر وہ شخصیت نہیں جو ان صلاحیتوں کو مثبت راہ پر گامزن کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا ہے وہ منفی راہ پر چل نکلے ہیں جس سے مسائل نے جنم لیا ہے۔ نسل نو کی تعمیر شخصیت کی پہلی ذمہ داری تو والدین کی ہے جن کی تربیت اسے فطرت سلیمہ پر مسلمان بھی بنا سکتی ہے اور یہودی ونصرانی بھی۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری ان اساتذہ ومعلمین کی

---

(١) ابن حنبل، ابوعبداللہ، احمد بن محمد، المسند، باقی مسند الانصار، حدیث نمبر: ٢٢٢١١، تحقیق: شعیب الأرناؤوط، مؤسسۃ الرسالہ، طبع اول: ٢٠٠١م، ٣٦/٥٤٥

(٢) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی ﷺ من استطاع، حدیث نمبر: ٥٠٦٦

ہے جنہیں معمارانِ قوم کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے گوشت پوست کے انسان میں ایک حقیقی انسان کی بنیاد رکھیں اور پھر اس کی نشو و نما اس طرح جاری رکھیں کہ وہ ہرا بھرا اور تنا آور درخت کی صورت میں منظر عام پر آئے جس سے انسانیت صدی در صدی متمتع ہو۔

۲۔ تعمیر شخصیت کے مغربی افکار کو اپنا قبلہ و کعبہ بنانے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ تا قیام قیامت لائق اتباع ہے اس لئے آپ ﷺ کے ماسوا تمام تر نامکمل، اور صرف آپ ﷺ اکمل و کامل ہیں، اب یہ ذمہ داری بھی اساتذہ و معلمین پر ہے کہ وہ مغرب زدگی سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے نونہالان کی تعمیرِ شخصیت، محسن انسانیت کے نقش قدم پر کریں اس لئے کہ مغرب کے اعلیٰ دماغ جن موشگافیوں میں صدیاں الجھتے رہے، مسیحائے انسانیت نے پل بھر میں ان معموں کو حل کر ڈالا۔ یوں فلسفیانِ مغرب، اسوہ نبوی کے سامنے طفلِ مکتب نظر آئے۔

۳۔ تعلیمی اداروں میں تعلیم کا چرچا تو خوب ہے مگر تربیت کا دیوالیہ! افسوس جن اداروں سے نسلِ نو کی تربیت ہونا تھی، وہ خود تربیت کے حاجت مند ٹھرے ہیں۔ کمرشلائزیشن کی بھٹی نے ہر چیز سمیت اخلاقیات کو بھی بھسم کر ڈالا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ادارے اپنی اخلاقی اقدار، از سر نو بحال کریں تا کہ افراد میں تعمیر شخصیت کی بنیاد رکھی جا سکے۔

۴۔ وہ افراد اور ادارے جنہوں نے اپنی زندگیاں تعمیر شخصیت میں صرف کر ڈالیں، کو زبردست خراج تحسین پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر اگر یہ مہم ترغیبی پالیسی کے تحت زور شور سے چلائی جائے تو خواطر خواہ نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

❁ ❁ ❁

افراد سازی میں خصوصی دلچسپیوں اور رجحانات کی رعایت
(سیرت طیبہ کی روشنی میں)

Considering Special Tendencies and Interests in Grooming
(In the Light of the *Sīrah* of the Prophet ﷺ)

علی طارق*

ABSTRACT

One of the aspects of the teaching and grooming of people by the Prophet (ﷺ) was considering the special interest and tendencies of the companions and preparing, guiding, grooming and appreciating them in their respective fields of special interests and tendencies. This consideration of their special interests and tendencies and grooming and guiding them in this respect enabled them to exercise their abilities and serve the society in the academic, preaching, political, economic, social, judicial, diplomatic and other aspects.

Until and unless the interest and tendencies of youth are not kept in mind, abilities of youth can never be utilized. Our Holy Prophet (ﷺ) took great care of youth's interests before their training for specific field.

The present paper intends to analyze the life of five companions and their excellence in field of education which was result of the Prophet's consistent guidance and grooming according to their special interests and tendencies which resulted in their extra ordinary status in their respective fields and constructive contribution in the establishment and strengthening the structural foundations of society.

The present Muslim world is in the need of seeking the guidance from the life of the Prophet in this respect and considering the special tendencies and interests of the youth and grooming, guiding and upbringing them in their respective fields so that they could contribute to the positive and constructive upbringing of the humanity in general and Muslim society in specific.

Keywords: *Special Interests, Tendencies, Upbringing, Grooming, Character Building, Sīrah.*

* لیکچرار شعبہ حدیث، کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

نبی اکرم ﷺ کی تعلیم وتربیت کے مظاہر میں سے ایک بڑا مظہر نوجوان صحابہ کرام وصحابیات رضی اللہ عنہم کی خصوصی دلچسپیوں اور رجحانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو علمی، تبلیغی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، جنگی، سفارتی اور دیگر ذمہ داریوں کے لئے تیار کرنا ہے۔ اس مقالے میں سیرت طیبہ کی روشنی میں ان چند صحابہ کرام وصحابیات رضی اللہ عنہم کے کارناموں کا جائزہ پیش کیا جائے گا جن کی تعلیمی میدانوں میں خصوصی دلچسپیوں اور رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو نہ صرف ان میدانوں میں آگے بڑھنے کا موقع دیا بلکہ ہمیشہ ان کی خصوصی دلچسپیوں کے پیش نظر ان سے گفتگو کی، ان کی حوصلہ افزائی کی اور ان کی رہنمائی فرمائی جس کے نتیجے میں انھوں نے نہ صرف آپ ﷺ کے زمانے میں مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے بلکہ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی ان کی صلاحیتوں اور خدمات سے عالم اسلام مستفید ہوا بلکہ شاید اس بات میں کوئی مبالغہ نہ ہو کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں علمی، تبلیغی، معاشرتی، سیاسی، سفارتی اور جنگی میدانوں میں جو اقدامات اور ترقی ہوئی وہ انہی نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بدولت تھی جنہیں نبی اکرم ﷺ کی حسن تربیت سے مستفید ہونے کا موقع ملا اور آپ ﷺ نے ان کی قائدانہ صلاحیتوں کو نمایاں کیا، نکھارااور معاشرے کیلئے ایک مفید فرد بناڈالا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ افراد سازی کے اس مرحلے میں آپ ﷺ نے کسی صحابی یا صحابیہ کی خصوصی دلچسپیوں اور رجحانات کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا بلکہ انہی رجحانات کو مثبت انداز میں اسلام کے فروغ اور استحکام کے لیے استعمال فرمایا۔

آج کا دور اسی بات کا متقاضی ہے کہ ہم سیرت طیبہ کی روشنی میں نوجوانوں کی خصوصی دلچسپیوں اور ان کے رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو مثبت کاموں کے لئے تیار کریں جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے خصوصی طور پر اور پوری دنیا کے لئے عمومی طور پر خیر اور برکت کا ذریعہ بنیں

رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکت قرآن کریم کے مطابق تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجی گئی ہے چنانچہ ارشاد ربّانی ہے:

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾(۱)

اور ہم نے آپ کو تمام جہان کے لوگوں کے حق میں رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن کریم کے مطابق اسی رحمت کے مظاہر میں سے ایک مظہر آپ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری ہے جس کو قرآن میں اہل ایمان پر احسان کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ضمن میں آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

حدیث نبوی اور سیرت طیبہ کے ذخیرے میں رسول اکرم ﷺ کی تعلیم وتربیت کے تفصیلی ذکر کا یہ

(۱) سورۃ الانبیاء:۱-۷

مختصر مقالہ متحمل نہیں۔ جہاں رسول اکرم ﷺ نے عمومی طور پر مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا وہیں پر متعین طور پر صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم خاص طور پر نوجوان صحابہ کرام و صحابیات رضی اللہ عنہم کی خصوصی دلچسپیوں اور رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سے معاملہ فرمایا اور ان کی رہنمائی اور تربیت فرمائی۔

رسول اکرم ﷺ کی تربیت کے نمایاں پہلوؤں میں سے ایک افراد سازی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس تربیت اور افراد سازی کے دوران افراد کی فطری صلاحیتوں کو نہ صرف پیش نظر رکھا بلکہ ان کی دلچسپی کے میدانوں ہی میں ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ کردار سازی اور افراد سازی کے اس عمل میں آپ ﷺ نے ان صحابہ کرام کے پس منظر اور خصوصی دلچسپیوں اور صلاحیتوں کی رعایت کرتے ہوئے ان سے گفتگو فرمائی اور تربیت کے اس مرحلے میں ان کے لئے ان کی دلچسپیوں کے میدان میں مزید بہتری، اضافوں اور ترقی کے لئے دعائیں بھی دیں اور بعض مواقع پر ان کو پیش آنے والے مسائل اور الجھنوں کو بھی حل فرمایا۔ ان صلاحیتوں کو جلا بخشنے، پروان چڑھانے اور تربیت دینے کے مرحلے میں آپ ﷺ نے ہمیشہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان خوبیوں کو سراہا، ان کی حوصلہ افزائی کی اور لوگوں کے سامنے ان خوبیوں کا اظہار بھی فرمایا تاکہ امت کے اجتماعی مفاد میں ان سے استفادہ کیا جاسکے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑی تعداد ایسے صحابہ کی بھی ہے جن کی خوبیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے نہ صرف ان خوبیوں کو نکھارا اور ان کا اظہار کیا بلکہ ان حضرات کو اپنی اپنی خوبیوں کے میدان میں ذمہ داریاں بھی سونپیں تاکہ ان خوبیوں سے کماحقہ استفادہ کیا جاسکے۔

سیرت نبوی سے تربیت اور افراد سازی کے متنوع پہلوؤں میں سے صرف تعلیمی پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جائے گا اور ان چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا جن کی تعلیمی دلچسپیوں اور خصوصی رجحانات کی رعایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ان کی تربیت فرمائی اور ان کو ذمہ داریاں سونپیں جس کے نتیجے میں عہد رسالت کے ساتھ ساتھ خلافت راشدہ اور بعد کے ادوار میں بھی امت نے ان حضرات کی علمی صلاحیتوں سے خوب استفادہ کیا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ایک نوجوان معلم

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی تربیت سے مستفید ہونے کے بہت سے مواقع میسر آئے۔ آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن اور نام عبد اللہ بن مسعود تھا اور قبیلہ ہذیل سے تعلق کی بنا پر آپ کو ہذلی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کو ابن ام عبد بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کو آغاز اسلام میں ہی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ وابستگی کی سعادت حاصل ہوگئی چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ میں چھٹا مسلمان تھا۔ [1] ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔

---

(۱) ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الإصابۃ فی تمیز الصحابہ، تحقیق: عادل أحمد عبد الموجود اور علی محمد معوض، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۱۵ہجری، ۴/۲۰۰

یہ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چراتے تھے آپ ﷺ کا ان کے پاس سے گذر ہوا تو بکری کا دودھ طلب فرمایا جس کے جواب میں انہوں نے کہا میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا کیوں کہ میں امانت دار ہوں اس پر آپ ﷺ نے ایک ایسی بکری کے تھن پر ہاتھ پھیرا جس کا ابھی دودھ اترنا شروع نہ ہوا تھا، تو اس کا دودھ اتر آیا۔ آپ ﷺ نے خود بھی دودھ نوش فرمایا اور ابو بکرؓ کو بھی پلایا اس پر انہوں نے گذارش کی کہ مجھے بھی یہ سکھائیں۔ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا تم تو غلیم معلم (نوجوان معلم) ہو۔ [۱] ان کی ایک سعادت عشرہ مبشرہ میں سے ہونا بھی ہے۔ ان کو دونوں ہجرتوں یعنی ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کی سعادت اور تمام غزوات میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ [۲] آپ ﷺ نے ان کی علم کی لگن کو بھانپ لیا تھا لہٰذا ان کو غیر معمولی قرب عطا فرمایا جس کے نتیجے میں ان کو خوب خدمت اور استفادے کا موقع ملا۔ خود فرماتے ہیں:

«وَاللَّهِ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِضْعًا وَسَبْعِينَ سُورَةً» [۳]

اللہ کی قسم مجھے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے کے منہ مبارک سے ستر سے زائد سورتیں سیکھنے کا موقع ملا۔

قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ستر سورتوں کو براہ راست زبان رسالت سے سیکھنے کی سعادت جہاں ان کے قرآن کریم کے سیکھنے کے جذبے اور اس کے ساتھ غیر معمولی شغف اور تعلق کا آئینہ دار ہے وہیں ان کی دربار رسالت سے مسلسل وابستگی کا بھی پتہ دیتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے بلند آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی سعادت بھی انہیں حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں قریش مکہ کی مار پیٹ اور اذیت کا سامنا بھی کرنا پڑا [۴] ان کے رسول اللہ ﷺ سے استفادے کے اثرات خود آپ علیہ السلام کی زندگی میں ہی ظاہر ہونا شروع ہوگئے تھے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْهُ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ» [۵]

جو قرآن کو ایسے پڑھنا چاہتا ہے جیسے کہ وہ اترا ہے تو اسے چاہیے کہ ابن ام عبد کی طرح پڑھے۔

اسی مسلسل وارفتگی اور استفادے کے جذبے کے تحت ہمہ وقت دربار رسالت میں حاضری کا اثر یہ ہوا کہ

---

(۱) ابن حنبل، ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ، حدیث نمبر: ۳۵۹۸، تحقیق: شعیب الأرنؤوط - مؤسسہ الرسالہ بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۴۲۱، ہجری، ۶/ ۸۲

(۲) الإصابہ، ۴/ ۱۹۹

(۳) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب القراء من أصحاب النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۵۰۰۰، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر، دار طوق النجاۃ، طبع اول: ۱۴۲۲

(۴) الإصابہ، ۴/ ۲۰۰

(۵) مسند أحمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۳۵، ۷/ ۳۵۹

ان کو صاحب الوسادۃ، صاحب النعلین صاحب الطھور،(۱) صاحب السواک(۲) یعنی رسول اللہ ﷺ کے تکیے، نعلین، وضو کا بندوبست کرنے والے اور مسواک والے کہا جانے لگا جو ان کی دربار نبوت سے غیر معمولی وابستگی اور ہمہ وقت حاضری کے مواقع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دربار رسالت سے وابستگی کا عالم یہ تھا کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ شاید ان کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ داری ہے چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«قَدِمْتُ أَنَا وَأَخِي مِنَ الْيَمَنِ، فَمَكَثْنَا حِينًا لَا نَرَىٰ إِلَّا أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ دُخُولِهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ» (۳)

میں اور میرا بھائی جب یمن سے آئے تو کچھ عرصے تک ابن مسعود اور ان کی والدہ کو کثرت سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آنے جانے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کے رشتہ دار ہی سمجھتے رہے۔

دربار نبوت سے وابستگی کے نتیجے میں آپ پر علم و حکمت کا ظہور اور اثر اس درجے کا ہوا کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

«لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا أَحَدًا مِنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ لَأَمَّرْتُ عَلَيْهِمُ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ» (۴)

اگر میں کسی کو بغیر مشورے کے امیر بناتا تو ابن مسعود کو بناتا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«خذُوا القرآنَ منْ أربعةٍ: مِنِ ابنِ مسعودٍ، وأُبَيِّ بنِ كعبٍ، ومعاذٍ وسالمٍ» (۵)

قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو: عبداللہ بن مسعود، اور ابی بن کعب، معاذ، سالم رضی اللہ عنہم۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ صرف علم اور پڑھنے پڑھانے میں ہی نہ لگے رہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے تمام غزوات میں بھی شریک رہے اور ان کو غزوہ بدر میں ابو جہل کو جہنم رسید کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی جہاد کے مبارک عمل میں شریک رہے اور شام کی فتوحات کے دوران بھی اسلامی لشکر کا حصہ رہے۔(۶)

ان کی علم دوستی کی حرص کا اندازہ ان کی دربارِ رسالت سے اس وابستگی سے بھی لگایا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من حمل معہ الماء لطھورہ، ۱/۴۲
(۲) مسند احمد، مسند القبائل، بقیۃ حدیث أبي الدرداء، حدیث نمبر: ۲۷۵۴۹، ۴۵/۵۳۳
(۳) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عبداللہ بن مسعود، حدیث نمبر: ۳۷۶۳، ۵/۲۷
(۴) ترمذی، محمد بن عیسی، سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عبد اللہ بن مسعود، حدیث نمبر: ۳۸۰۹، تحقیق: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۸ء، ۶/۱۵۲
(۵) سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من أصحاب النبی ﷺ، حدیث نمبر: ۴۷۱۳، ۶/۱۵۳
(۶) ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الجیل، بیروت، لبنان، طبع اول: ۱۹۹۲، ۳/۹۱۱

کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے ان کے علم سے بھرپور استفادہ کیا اور امت مسلمہ کے ایک بڑے فقہی مذہب فقہ حنفی نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے چنانچہ فقہ حنفی میں انکی فقہ سے استفادے کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ والوں کی درخواست پر بطور معلم اور وزیر کے کوفہ بھیجتے ہوئے کوفہ والوں کو خط لکھا اور فرمایا:

«إِنِّي قَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكُمْ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ أَمِيرًا، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ مُعَلِّمًا وَوَزِيرًا، وَهُمَا مِنَ النُّجَبَاءِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ فَاسْمَعُوا، وَقَدْ جَعَلْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ عَلَى بَيْتِ مَالِكُمْ فَاسْمَعُوا فَتَعَلَّمُوا مِنْهُمَا، وَاقْتَدُوا بِهِمَا، وَقَدْ آثَرْتُكُمْ بِعَبْدِ اللهِ عَلَى نَفْسِي»[۱]

میں عمار کو تمھارے پاس امیر اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں اور یہ دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر کے منتخب صحابہ میں سے ہیں لہذا ان کی باتوں کو خوب دھیان لگا کر سنو اور میں نے ابن مسعود کو تمہارے بیت المال کا نگران مقرر کیا ہے لہذا اس کی اطاعت کرو اور ان دونوں سے سیکھو اور ان دونوں کی پیروی کرو اور میں نے عبد اللہ بن مسعود کے معاملے میں تمھیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

اس خط سے ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک قدر و منزلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اسی طرح ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو علم سے بھرے ہوئے برتن یا مشکیزہ سے تعبیر کیا۔[۲]

کوفہ میں جا کر انہوں نے وہاں کی علمی فضا کو خوب سنوارا اور اس کے نتیجے میں کوفہ میں علما و فقہاء کا مجمع تیار ہوا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ کو دار الخلافہ بنایا تو کوفہ کی علمی فضا اور زیادہ مضبوط اور توانا ہو گئی ان کا انتقال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سنہ ۳۲ھ میں ہوا اور اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی۔[۳]

اس مختصر سے سوانحی خاکے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے آغاز میں ہی ان کے سیکھنے اور جاننے کی صلاحیتوں کا اندازہ لگالیا تھا اور پھر ان صلاحیتوں کو خوب نکھارا اور جلا بخشی جس کے نتیجے میں امت مسلمہ کو ان کی علمی حیثیت سے بھرپور مستفید ہونے کا موقع ملا۔ ایک چیز جو بہت نمایاں طور پر سامنے آتی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی خوبیوں کو نمایاں کرنا ہے تاکہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔ یہ معاملہ صرف ان کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ آپ

---

(۱) حاکم، نیشاپوری، محمد بن عبد اللہ حاکم، مستدرک علی الصحیحین، حدیث نمبر: ۵۶۶۳، تحقیق: مصطفی عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول: ۱۹۹۰ء، ۳/۴۳۸

(۲) عبد الرزاق بن ہمام صنعانی، مصنف عبد الرزاق، حدیث نمبر: ۱۸۱۸۷، تحقیق: حبیب الرحمن اعظمی، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، طبع دوم: ۱۴۰۳ ہجری، ۱۰/ ۱۳

(۳) الإصابہ، ۴/ ۲۰۰

ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خوبیوں اور خصوصیات کا ذکر فرماتے رہتے تھے اور احادیث وسیرت کی کتب میں اس کی بہت ساری مثالیں ہیں۔ یہاں اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں افراد سازی اور کردار سازی کا مرحلہ اس وقت مکمل ہوتا ہے جب ان افراد کی خصوصی دلچسپیوں اور رجحانات کو بھانپا جائے، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، تربیت کی جائے اور اس تربیت کے مکمل ہونے پر لوگوں کے سامنے ان کی خوبیوں کا تذکرہ بھی کیا جائے تاکہ معاشرہ ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں سے مستفید بھی ہو سکے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، مفسر قرآن

رسول اللہ ﷺ کی محبت اور تربیت سے مستفید ہونے والوں میں سے ایک شخصیت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے جو آپ ﷺ کے چچا عباس بن عبد المطلب کے بیٹے ہیں اور اس بنا پر آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔ آپ ابن عباس کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہجرت سے تین سال پہلے کفار مکہ کے مشہور بائیکاٹ کے دوران شعب ابی طالب میں ہوئی اور آپ کی خوش قسمتی یہ رہی کہ آپ ﷺ نے اپنے لعاب مبارک سے آپ کو گھٹی دی۔ (۱)

آپ کی عمر آپ ﷺ کے انتقال کے وقت صرف تیرہ سال تھی لیکن اس کم عمری کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق اور استفادے کے پیش نظر آپ کو دربار نبوت سے مختلف مواقع پر دعائیں حاصل کرنے کا موقع ملا۔ رسول اللہ ﷺ سے تعلق کی ایک نسبت تو ان کا چچازاد ہونا تھا، لیکن ان کی ایک اور خوش قسمتی یہ تھی کہ ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو رسول اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا جس کے نتیجے میں ان کے رسول اکرم ﷺ کی صحبت سے استفادے کے مواقع مزید بڑھ گئے۔

آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر ان کے لئے مختلف دعائیں کی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی علم دوستی اور رسول اکرم ﷺ کے اقوال وافعال سے آگاہی اور آپ کی خدمت کے جذبے کو ظاہر کرنے کے لئے یہ واقعہ ہی کافی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے کہ ایک رات یہ رسول اکرم ﷺ کے گھر ٹھہرے اور رات کے وقت آپ ﷺ کے تہجد کے وضو کا بندوبست کیا آپ ﷺ جب بیدار ہوئے تو انہیں وضو کرایا جس پر آپ ﷺ کی اہلیہ اور ان کی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے سفارش کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کے تہجد کے وضو کا بندوبست کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی :

«اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ» (۲)

---

(۱) الإصابہ، ۴/۱۲۲

(۲) مسند أحمد بن حنبل، مسند بنی ہاشم، مسند عبد اللہ بن العباس، حدیث نمبر: ۳۱۰۱، ۵/۲۱۵

اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور (قرآن کی) تفسیر سکھا۔

اس روایت سے ان کی علمی لگن اور جستجو کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اتنی چھوٹی عمر میں آپ ﷺ کی تہجد کے وضو کا بندوبست کیا جو ان کے سیکھنے اور علمی و عملی استفادہ کے جذبے کا مظہر ہے۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور حدیث ذکر کی ہے جس میں آپ ﷺ نے ان کے لئے علم و فہم میں اضافے کی دعا فرمائی۔ [1] ایک اور روایت میں خود فرماتے ہیں حضرت ابن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے ایک مرتبہ اپنی خالہ حضرت میمونہ کے گھر رات گزاری اور خیال کیا کہ آج دیکھوں گا کہ آنحضرت ﷺ رات میں نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟

«مَسَحَ النَّبِيُّ ﷺ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْحِكْمَةِ» [2]

آپ ﷺ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے حکمت کی دعا فرمائی۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ان کے لئے اس طرح مختلف مواقع پر مختلف دعائیں کرنا جہاں ان کے آنحضرت ﷺ سے تعلق اور محبت کو ظاہر کرتا ہے وہیں ان کے رسول اللہ ﷺ سے سیکھنے اور استفادہ کرنے کے جذبے کو بھی ظاہر کرتا ہے اور سیکھنے کا یہ جذبہ صرف آپ ﷺ کی عمومی زندگی اور دن بھر کے معمولات تک محدود نہ تھا بلکہ ان کے آپ ﷺ کی خانگی زندگی اور رات کے معمولات تک سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق ظاہر کرنے کے لیے یہ واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں نے ایک مرتبہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزاری اور خیال کیا کہ آج دیکھوں گا کہ آنحضرت ﷺ رات میں نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَقُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلاَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَطُرِحَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وِسَادَةٌ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي طُولِهَا فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ قَرَأَ فَقَرَأَ الآيَاتِ الْعَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ آلِ عِمْرَانَ حَتَّى خَتَمَ ثُمَّ أَتَى شَنًّا ثُمَّ أَتَى سِقَاءً مُعَلَّقًا فَأَخَذَهُ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِي ثُمَّ أَخَذَ بِأُذُنِي فَجَعَلَ يَفْتِلُهَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ... ثُمَّ أَوْتَرَ» [3]

میں نے آپ ﷺ کے لئے تکیہ رکھا آنحضرت ﷺ اس کے طول میں لیٹ گئے پس رسول

---

(۱) ایضاً، حدیث نمبر: ۳۰۶۰، ۱۷۸/۵

(۲) مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۸۵۰، ۳۴۰/۳

(۳) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا، حدیث نمبر: ۴۵۷۰، ۴۱/۶

اللہ ﷺ نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیند کو دور کیا پھر سورت آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت فرمائی پھر آپ ﷺ ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کی طرف گئے اس سے پانی لے کر آپ ﷺ نے وضو کیا میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور جو کچھ آپ ﷺ نے کیا تھا اسی طرح میں نے بھی کیا پھر جا کر آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھا پھر میرا کان پکڑ کر اسے مروڑا آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت نماز پڑھی،۔۔۔پھر وتر پڑھے۔

یہ واقعہ ان کے جذبۂ علم اور رسول اکرم ﷺ کے معمولات سے واقفیت حاصل کرنے کے شوق کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک نوجوان کا رات کو اس نیت اور ارادے سے بستر پر لیٹنا کہ آپ ﷺ کے رات کے آخری پہر کے معمولات کا علم حاصل کیا جائے بہت غیر معمولی اقدام ہے۔ اس رات اگر یہ ساری رات جاگ کر انتظار کرتے رہتے تب بھی بڑی ہمت کی بات ہے کہ بستر پر رات بھر لیٹے رہنا اور بیدار رہنا اور اگر سو کر رات کے آخری پہر میں اٹھ گئے تو بھی بہت غیر معمولی ہے کیونکہ نوجوان آدمی کی نیند عام طور پر اس کے قابو میں نہیں ہوتی۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ اگر استاد کو اچھا شاگرد میسر آجائے تو وہ اس کی تعلیم اور تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا اور یہاں تو معاملہ ہی سید البشر کا تھا، جن کو معلم بنا کر بھیجا گیا تھا لہذا آپ ﷺ نے بھی ان کی خوب تربیت فرمائی اور مختلف مواقع پر بہت ہی اہم چیزیں سکھائیں جن میں سے ایک مشہور واقعہ وہ ہے جس میں یہ آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے اور آپ ﷺ نے ان سے چند باتیں ارشاد فرمائیں جو انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ سیکھنے اور استفادے کا یہی جذبہ تھا جس نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا مستحق بنا دیا چنانچہ آپ سے مروی ہے کہ ایک موقع پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور یہ دعا فرمائی:

«اللّهُمَّ عَلِّمْهُ الحِكمَةَ وتأويلَ الكِتاب»[1] اے اللہ اسے حکمت اور کتاب اللہ کی تفسیر سکھا۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت، آپ ﷺ سے استفادے اور آپ ﷺ کی دعاؤں کا اثر تھا کہ ان کی کتاب اللہ کے سمجھنے کا شوق روز افزوں ہوتا گیا حتی کہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اکابر صحابہ کرام سے استفادہ کیا جائے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کیا جائے خود ان ہی کی زبانی پڑھئے:

«لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قُلْتُ لِرَجُلٍ مِنَ الأَنْصارِ: هَلُمَّ فَلْنَسْأَلْ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَإِنَّهُمُ الْيَوْمَ كَثِيرٌ ، فَقَالَ: وَاعَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، أَتَرَى النَّاسَ يَفْتَقِرُونَ إِلَيْكَ وَفِي النَّاسِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَنْ فِيهِمْ، قَالَ: «فَتَرَكْتُ ذَاكَ وَأَقْبَلْتُ أَسْأَلُ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَإِنْ كَانَ يَبْلُغُنِي الْحَدِيثُ عَنِ الرَّجُلِ فَآتِي بَابَهُ وَهُوَ قَائِلٌ فَأَتَوَسَّدُ رِدَائِي عَلَى بَابِهِ يَسْفِي

(۱) سنن ابن ماجہ، باب فضل ابن عباس، حدیث نمبر: ۱۶۶،۱/ ۵۸

الرِّيحُ عَلَيَّ مِنَ التُّرَابِ فَيَخْرُجُ فَيَرَانِي فَيَقُولُ: يَا ابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا جَاءَ بِكَ؟ هَلَّا أَرْسَلْتَ إِلَيَّ فَآتِيَكَ؟، فَأَقُولُ: لَا،أَنَا أَحَقُّ أَنْ آتِيَكَ، قَالَ:فَأَسْأَلُهُ عَنِ الْحَدِيثِ،فَعَاشَ هَذَا الرَّجُلُ الْأَنْصَارِيُّ حَتَّى رَآنِي وَقَدِ اجْتَمَعَ النَّاسُ حَوْلِي يَسْأَلُونِي، فَيَقُولُ: «هَذَا الْفَتَى كَانَ أَعْقَلَ مِنِّي»[1]

جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے ایک انصاری بھائی سے کہا چلو آؤ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے پوچھتے ہیں اس لئے کہ وہ اس وقت زیادہ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ تم پر تعجب ہے !تمھارا کیا خیال ہے لوگوں کو تمھاری ضرورت پڑے گی جبکہ لوگوں میں ابھی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایسے لوگ موجود ہیں جو مرجع ہیں ؟لہذا میں نے سوالات کرنے شروع کر دیے چنانچہ جب مجھے کسی کے پاس حدیث کا علم ہوتا تو میں اس کے دروازے پر پہنچ جاتا اور اگر وہ شخص قیلولہ کر رہا ہوتا تو میں اس کے دروازے پر اپنی چادر پھیلا کر بیٹھ رہتا اور ہوا مجھ پر ریت اڑاتی رہتی پس وہ نکلتا اور مجھے دیکھتا تو کہتا اے اللہ کے رسول کے چچا کے بیٹے آپ کو کون سی چیز نے آنے پر مجبور کیا؟ آپ نے مجھے پیغام بھجوایا ہوتا تو میں خود حاضر ہو جاتا تو میں جواب میں کہتا نہیں یہ میرا حق بنتا تھا کہ میں آپ کے پاس آؤں پھر میں ان سے حدیث کے بارے میں پوچھتا۔وہ انصاری بھی ایسے زمانے تک زندہ رہے جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ میرے ارد گرد اکٹھے ہونے لگ گئے تھے اور مجھ سے سوالات پوچھنے لگ گئے تھے۔تو اس نے کہا کہ یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقلمند نکلا۔

یہ نوجوان اپنی محنت اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور دعاؤں کی برکت سے ایسے بلند مقام تک پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی صاحب علم شخصیت نے ان کے بارے میں فرمایا:

«نِعْمَ تُرْجُمَانُ الْقُرْآنِ ابْنُ عَبَّاسٍ»[2] ابن عباس قرآن کریم کے کتنے عمدہ ترجمان ہیں۔

طاؤس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ جب انہیں کسی معاملے میں تردد ہوتا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کرتے۔[3] خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں ان کو جو غیر معمولی مقام حاصل تھا اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایئے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے (اپنی مجلس میں) مشائخ بدر کے ساتھ بٹھاتے تھے تو ان میں سے بعض نے کہا کہ آپ اس لڑکے کو جو ہماری اولاد کے برابر ہے ہمارے ساتھ کیوں بٹھاتے ہیں؟انہوں نے جواب دیا کہ آپ لوگ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کن لوگوں (کس طبقہ) میں سے سمجھتے ہو! ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر ایک دن حضرت

(۱) مستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، حدیث نمبر:۱،۳۶۳/ ۱۸۸
(۲) مستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، ذکر عبداللہ بن عباس، حدیث نمبر:۶۲۹۱،۳/۶۱۸
(۳) الإصابہ،۴/۱۲۸

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اور ان کے ساتھ مجھے جہاں تک میں سمجھتا ہوں صرف اس لئے بلایا کہ انہیں میری طرف سے (علمی کمال) دکھا دیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (ان لوگوں سے) کہا کہ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ آخر سورت تک کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ بعض نے کہا کہ جب اللہ ہماری مدد کرے اور فتح عطا فرمائے تو اس نے ہمیں حمد واستغفار کا حکم دیا ہے، بعض نے کہا ہمیں معلوم نہیں، بعض نے کچھ بھی نہیں کہا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا اے ابن عباس رضی اللہ عنہ کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے؟ میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا جب اللہ کی مدد اور فتح مکہ حاصل ہوئی تو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی خبر دی۔ لہذا فتح مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی علامت ہے لہذا آپ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کیجئے اور استغفار کیجئے اللہ قبول کرنے والا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی خیال ہے جو تمہارا ہے[1]

یہ واقعہ ان کی قرآن فہمی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ علوم اسلامیہ کا ایک طالب علم اچھی طرح جانتا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی کیا خدمات ہیں اور قرآن کریم کی شاید ہی کوئی تفسیر ایسی ہو جس میں ان کے تفسیری اقوال سے استفادہ نہ کیا گیا ہو اور ان کا علم صرف قرآن تک محدود نہ تھا بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی معاملے کے بارے میں پوچھا جاتا تو اگر قرآن میں ہوتا تو بتلاتے و گرنہ حدیث ذکر کرتے اور اگر حدیث نہ ہوتی تو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کا عمل ذکر کرتے اور اگر وہاں سے بھی کچھ نہ پاتے تو پھر اپنی رائے پیش کرتے[2] ابن سعد نے تو "اجْتَهَدَ رَأْيَهُ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں[3] شاید اجتہاد کرنے کی یہ صلاحیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور حکمت اور تاویل کی دعا کا اثر تھا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت شاید یہ تھی امت مسلمہ ایک لمبے عرصے تک ان سے استفادہ کر سکے اس لیے ان کو بچپن میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور خدمت میں وابستہ کر دیا تھا چنانچہ ان کا انتقال ۶۸ ہجری میں ۷۱ سال کی عمر میں ہوا[4] اور یوں ان کے علم، خاص طور پر کتاب اللہ کی تاویل و تفسیر اور حکمت سے امت نے خوب استفادہ کیا۔ اگر ان کی زندگی میں غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کتاب اللہ سے تعلق خاص طور پر اس کی تفسیر و تاویل سے دلچسپی کا احساس ہو گیا تھا جس کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً اس

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾. حدیث نمبر: ۴۹۸۶، ۶/ ۱۷۹

(۲) ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد، مصنف بن أبی شیبہ، تحقیق: کمال یوسف الحوت، مکتبۃ الرشد، الریاض، طبع اول کتاب البیوع والأقضیۃ، باب فی القاضی ماینبغی، حدیث نمبر: ۲۲۹۹۴، ۴/ ۵۴۴

(۳) ابن سعد، أبو عبد اللہ، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۰ھ، ۲/ ۲۸۰

(۴) الإصابہ، ۴/ ۱۳۱

معاملے میں نہ صرف راہنمائی اور سرپرستی فرمائی بلکہ ان کے شوق میں اضافے کے لئے ان کے لئے کتاب وحکمت کی تعلیم اور فہم کی دعا بھی کی اور پھر چشم کائنات نے وہ منظر بھی دیکھا جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت جو خود ایک جلیل القدر صحابی، عالم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معتمد تھے انہوں نے ان کو ترجمان القرآن قرار دیا۔

ان کی زندگی سے آج کے نوجوانوں کی تربیت کے حوالے سے ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ نوجوانوں کو بالکل شروع میں ہی اپنے آپ کو اپنی خصوصی دلچسپی کے میدانوں میں مصروف کردینا چاہیے اور ان کو سکھانے اور استفادے کے مواقع فراہم کرنے چاہیئں اور اس سارے مرحلے کو صرف الفاظ سکھانے تک محدود نہ رکھنا چاہیے بلکہ ان کے لئے دعائیں بھی کرنی چاہئیں۔ نوجوانوں کے لئے اس میں یہ سبق ہے کہ ان کو یہ سوچ کر کبھی بھی محنت سے جی نہیں چرانا چاہیے کہ ان کی دلچسپی کے میدان میں تو بڑے بڑے نام ہیں اور ان کی بات کی طرف کون دھیان دے گا؟ بلکہ پوری لگن اور خلوص سے اپنے فن میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یقینا ایسا کرنے کی صورت میں ایک وقت ایسا آنا ممکن ہے جب لوگ اس فن میں ان سے استفادے کے لئے آنا شروع ہوجائیں۔ اس کے ساتھ ایک سبق یہ بھی ہے کہ علم کے حصول میں کسی قسم کی مالی، نسبی دینی یا دنیاوی برتری کو حائل نہیں ہونا چاہیے اور اسی علم کے حصول میں اگر ظاہری طور پر کچھ مشقت اور ذلت بھی اٹھانی پڑے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں بلکہ علم کے حصول کے لئے اٹھائی جانے والی مشقت اور ذلت آخرکار راحت اور رفعت کا ذریعہ بنتی ہے اور بعض اوقات آدمی کم عمری کے باوجود اپنی علمی قدر و منزلت کی بدولت بڑی عمر کے لوگوں میں بیٹھنے اور بات کرنے کے لائق ہوجاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، محافظ حدیث

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اور فیض یافتگان میں سے ایک شخصیت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی ہے آپ کا نام عبد الرحمان بن صخر تھا اور آپ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ بلی کو پالنے کی وجہ سے آپ کا لقب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پڑا اور پھر یہی لقب مشہور ہوگیا۔ آپ نے خیبر کے سال اسلام قبول کیا اور پھر غزوہ خیبر میں بھی شرکت کی اور اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے وابستہ کرلیا اور ہر طرح کی فکر اور غم سے آزاد و بے نیاز ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو یاد کرنا اور محفوظ کرنا اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا[1] ان کی زندگی اوپر ذکر کردہ دونوں حضرات کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کے لئے وقف ہوگئی۔ ان کی نمایاں صلاحیت اور انفرادیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو یاد کرنا اور محفوظ کرنا تھا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے اس شوق اور رغبت کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اس لئے انہوں نے نہ صرف اس معاملے میں ان پر خصوصی توجہ فرمائی بلکہ ایک موقع پر ان کے احادیث کو محفوظ اور یاد کرنے کے شوق، حرص اور جذبے کو سراہا بھی۔ حضرت

---

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۴/ ۷۲-۷۱

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ حصہ آپ کی شفاعت سے کس کو ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

«لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لاَ يَسْأَلُنِي عَنْ هَذَا الحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الحَدِيثِ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ القِيَامَةِ، مَنْ قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ، أَوْ نَفْسِهِ»(۱)

مجھے یقینی طور پر یہ خیال تھا کہ ابوہریرہ تم سے پہلے کوئی یہ بات مجھ سے نہ پوچھے گا، کیونکہ میں نے حدیث پر تمہاری حرص دیکھ لی تھی، سب سے زیادہ فیض یاب میری شفاعت سے قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جو صدق دل سے یا اپنے خالص جی سے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ کہہ دے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اس شوق اور رغبت کے باوجود ایک شکایت یہ تھی کہ وہ احادیث یاد کرنے کے بعد بھول جاتے تھے۔ اس مسئلے کا ذکر جب انھوں نے آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے اس کا حل یوں فرمایا:

«ابْسُطْ رِدَاءَكَ» فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «ضُمَّهُ» فَضَمَمْتُهُ، فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ(۲)

اپنی چادر پھیلاؤ، چنانچہ میں نے چادر پھیلائی، تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چلو بنایا (اور اس چادر میں ڈال دیا) پھر فرمایا کہ اس چادر کو اپنے اوپر لپیٹ لو، چنانچہ میں نے لپیٹ لیا، پھر اس کے بعد میں کچھ نہیں بھولا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی خصوصی شفقت اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنے کا شوق بھی بہت زیادہ تھا جس کے نتیجے میں ان کو بہت تھوڑی مدت میں بہت ساری احادیث یاد کرنے کا موقع ملا اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ صرف حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی احادیث ان سے زیادہ ہوتی ہیں اور اس کی وجہ بھی وہ یوں بیان کرتے ہیں:

«مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلاَ أَكْتُبُ»(۳)

نبی ﷺ کے اصحاب میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ مجھ سے زیادہ کوئی شخص حدیث کی روایت نہیں کرتا، مجھ میں اور عبداللہ میں یہ فرق ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھا نہیں کرتا تھا۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، حدیث نمبر: ۹۹، ۱/ ۳۱

(۲) ایضاً، کتاب العلم، باب حفظ العلم، حدیث نمبر: ۱۱۹، ۱/ ۳۵

(۳) ایضاً، کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، حدیث نمبر: ۱۱۳، ۱/ ۳۴

ان کی دربار نبوت سے وابستگی کا عالم کیا تھا اور اس وابستگی کے لئے انہوں نے کیا کچھ قربان کیا اور اس قربانی کے بدلے میں ان کو کیا سعادت نصیب ہوئی اس کا اندازہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّكُمْ تَقُولُونَ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الحَدِيثَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَتَقُولُونَ مَا بَالُ المهَاجِرِينَ، وَالأَنْصَارِ لاَ يُحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ المهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمْ صَفْقٌ بِالأَسْوَاقِ، وَكُنْتُ أَلْزَمُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي، فَأَشْهَدُ إِذَا غَابُوا، وَأَحْفَظُ إِذَا نَسُوا، وَكَانَ يَشْغَلُ إِخْوَتِي مِنَ الأَنْصَارِ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ، وَكُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا مِنْ مَسَاكِينِ الصُّفَّةِ، أَعِي حِينَ يَنْسَوْنَ، وَقَدْ قَالَ: رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي حَدِيثٍ يُحَدِّثُهُ: «إِنَّهُ لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ ثَوْبَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي هَذِهِ، ثُمَّ يَجْمَعَ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ، إِلَّا وَعَى مَا أَقُولُ»، فَبَسَطْتُ نَمِرَةً عَلَيَّ، حَتَّى إِذَا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَقَالَتَهُ جَمَعْتُهَا إِلَى صَدْرِي، فَمَا نَسِيتُ مِنْ مَقَالَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تِلْكَ مِنْ شَيْءٍ[1]

تم کہتے ہو کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے اور تم کہتے ہو کیا بات ہے کہ مہاجرین وانصار رسول اللہ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح روایت نہیں کرتے، حال یہ ہے کہ ہمارے بھائی مہاجرین بازار میں خرید و فروخت میں مصروف رہتے اور میرا جب پیٹ بھرا رہتا ہے تو رسول اللہ کی صحبت میں رہتا، جب وہ لوگ غائب ہوتے تو میں حاضر ہوتا جب وہ لوگ بھول جاتے تو میں یاد رکھتا اور ہمارے انصار بھائیوں کو ان کے مالی کاموں سے فرصت نہ ملتی اور میں صفہ کے فقیروں میں سے ایک فقیر تھا، میں یاد رکھتا تھا جب وہ بھول جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص اپنا کپڑا پھیلائے یہاں تک کہ میں اپنی گفتگو ختم کرلوں پھر وہ اپنے کپڑے کو سمیٹ لے، تو جو بات بھی میں کہوں گا اسے یاد رہے گی میں نے اپنی کملی پھیلا دی جو میں اوڑھے ہوا تھا یہاں تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گفتگو ختم کر چکے تو میں نے اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا اس دن کے بعد سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات نہ بھولا۔

ان کی شخصیت کے مطالعے سے ہمیں آج کے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ آدمی کو اپنی دلچسپی اور رغبت کے پہلو کو دیکھنا چاہیے اور اسی میدان میں محنت کرنی چاہیے جس کی طرف طبیعت چلتی ہو اور اس کے نتیجے میں آدمی کو اپنے میدان میں رسوخ حاصل ہوتا ہے

(۱) صحیح بخاری، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۲۰۴۷، ۵۲/۳

اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ راہنمائی بھی ملتی ہے کہ جب کسی میدان میں کوئی دشواری پیش آ رہی ہو تو اس میدان کے اساتذہ اور بڑوں سے مشاورت کرنی چاہیے جس کے نتیجے میں کوئی نہ کوئی حل ضرور سامنے آ تا ہے ۔ ان کی زندگی سے ہمیں اپنے میدان کے ساتھ مکمل وابستگی اور وارفتگی کا سبق بھی بہت نمایاں طور پر ملتا ہے کہ اگر آدمی اپنی دلچسپی کے میدان میں پوری تندہی کے ساتھ لگ جائے تو بہت تھوڑے عرصے میں نمایاں مقام بنا لیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مثال کو اگر دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ غزوہ خیبر ۷ھ کے محرم میں پیش آیا اس لحاظ سے ان کو تقریبا چار سال تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ چار سال کی مختصر مدت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اس انداز میں جمع کرنا کہ صرف ایک صحابی کی روایات آپ سے زیادہ ہوں۔ اس میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفقت اور اس چادر والے واقع کا دخل ہے وہیں ان کی حفاظت حدیث کے غیر معمولی شوق اور اس کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کے جذبے کا بھی دخل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر نوجوانوں کی تربیت میں ان کے رجحانات اور خصوصی دلچسپیوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی راہ نمائی کی جائے اور نوجوان بھی اپنی خصوصی دلچسپی اور رجحانات کے میدانوں میں محنت کریں تو بہت تھوڑے وقت میں وہ اپنے میدان میں مہارت اور نمایاں مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

خواتین کی تربیت اور افراد سازی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے جہاں مردوں نے استفادہ کیا وہیں خواتین کو بھی اس معاملے میں بھرپور مواقع میسر آئے چنانچہ کتب حدیث میں اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو الگ سے خطاب فرمایا اور ان کو مستقل وقت عنایت فرمایا[۱] ان خواتین میں سے صحبت نبوی سے سب سے زیادہ مستفید ہونے والی اور امت مسلمہ کو نفع پہنچانے والی خاتون حضرت عائشہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی محبت، شفقت اور تربیت سے فیض یاب ہونے کے بہت سے مواقع میسر آئے ۔ بلاشبہ خواتین مسلم معاشرے کا ایک فعال حصہ تھیں چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت کا بھی ویسے ہی بندوبست فرمایا تھا جیسے مردوں کا فرمایا اس لئے بطور نمونہ صرف دو خواتین کا ذکر پیش خدمت ہے۔

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں اور ۳ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کا شرف حاصل ہوا اور ان کا انتقال ۴۰ھ یا ۴۵ھ میں ہوا[۲] گویا

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب فضل من مات لہ ولد فاحتسب، حدیث نمبر:۱۱۹۲، ۱/۴۲۱

(۲) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۴/۱۲-۱۸۱۱

رسول اکرم ﷺ کے گھر کا حصہ بننے کے بعد ان کو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تقریباً سات برس رہنے کا موقع ملا، اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد تقریبا ٣١ یا ٣٥ سال امت کو ان سے استفادے اور سیکھنے کا موقع ملا، چونکہ ان کو رسول ﷺ کی گھریلو زندگی کو دیکھنے اور برتنے کا موقع ملا، اور آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر ان کی تربیت اور رہنمائی کا کس قدر اہتمام فرمایا ہو گا اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے ۔ شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے میں اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«أَلَا تُعَلِّمِينَ هَذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِهَا الْكِتَابَةَ»(١)

کیا تم اسے (حفصہ کو) چیونٹی کا دم نہیں سکھاتی جیسے کہ تم نے اسے کتابت سکھائی؟۔

اس حدیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ ان کو کتابت سکھانے کا بندوبست فرمایا اور یقینا اس کے پیچھے کئی مصلحتیں ہوں گی اور انہوں نے اس استفادے کے بعد اسی صلاحیت سے فائدہ بھی اٹھایا ہو گا اس بات کے شواہد نہیں مل سکے کہ انہوں نے قرآن کریم کی کتابت یا حدیث کی حفاظت کی غرض سے کوئی مجموعہ مرتب کیا ہو لیکن اس بات کا امکان رد بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ عہد صدیقی میں جمع ہونے والا قرآن ان کے انتقال کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور ان کے انتقال کے بعد اس کی حفاظت کی ذمہ داری کی سعادت ان کے نصیب میں آئی۔ (٢) اس ساری تفصیل سے یہ بات تو واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ کو ان کی لکھنے پڑھنے کی صلاحیت اور شوق کا اندازہ ہو گیا تھا اور اس رجحان کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے ان کو لکھائی سکھانے کا بندوبست کیا۔ ان کے علاوہ کسی اور ام المؤمنین کے لئے اس طرح لکھائی سکھانے کا اہتمام کرنے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے واقعے میں یہ بات ملتی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب کے گھر پہنچے تو وہ اور ان کے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے سورہ طہ پڑھ رہے تھے اور وہ سورت ایک صحیفے پر لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس صحیفے کو چھونے کی کوشش کرنے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ (٣) اس روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان لکھنا پڑھنا جانتا تھا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی اس سے دلچسپی تھی جس کی وجہ سے انھوں نے حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا سے لکھنا سیکھا۔

حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا مہاجرات صحابیات میں سے ہیں اور انہوں نے ہجرت سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا ان کو یہ سعادت حاصل تھی، کہ آپ ﷺ ان سے خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، اور

---

(١) ابو داود، سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن أبی داود، کتاب الطب، باب ماجاء فی الرقی، حدیث نمبر: ٣٨٨٧ تحقیق: شعیب الارنؤوط، محمد کامل قرہ بللی، دار الرسالہ العالمیہ، طبع اول: ١٤٣٠ھ، ٦/ ٣٥

(٢) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، حدیث نمبر: ٤٩٨٦، ٦/ ١٨٣

(٣) ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام بن أیوب، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفی السقا، شرکۃ مکتبۃ، مصر، طبع دوم: ١٣٧٥ھ

کبھی کبھی دن کے وقت ان کے گھر قیلولے کے لئے تشریف لے جاتے تھے، اور انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے آرام کی خاطر ایک بستر اور چادر تیار رکھی تھی، جس پر آپ ﷺ آرام فرماتے تھے۔(۱) اوپر ذکر کی گئی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ایک خاص قسم کا دم آتا تھا، اور دوسری احادیث میں اس دم کی تفصیل بھی آتی ہے اور ایک موقع پر انہوں نے اس دم کے الفاظ سنا کر آپ ﷺ سے اس دم کی تصویب کرا کر اجازت بھی لے لی تھی(۲) اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے آگاہ ہونا ایک مشہور چیز تھی اور یہ دیگر صحابیات کو بھی لکھنے پڑھنے کی تربیت دیتی تھیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں معلمہ کے اوصاف پائے جاتے تھے اور آپ ﷺ کو ان کے اس رجحان کا اندازہ ہو گیا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے نہ صرف اس رجحان کو پسند فرمایا بلکہ حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اپنے گھر کی ایک خاتون کو سکھانے کا بندوبست کیا شاید اس کی ایک وجہ خواتین میں لکھائی و پڑھائی سیکھنے کا شوق پیدا کرنا بھی تھا اس لئے کہ فطری طور پر جب خواتین کو علم ہوا ہو گا کہ خود رسول اکرم ﷺ کی اہلیہ لکھنا سیکھ رہی ہیں تو شاید اس سے ان خواتین میں بھی اس حوالے سے دلچسپی اور شوق بڑھا ہو گا۔ آپ بڑی عاقلہ اور فاضلہ خاتون تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے منتظم اور مدبر شخص بھی ان سے بعض اوقات مشاورت کیا کرتے تھے اور بات صرف مشاورت تک محدود نہ تھی بلکہ انہوں نے ان کو بازار کے بعض معاملات کا نگران بھی بنایا تھا(۳) گویا اس اعتبار سے یہ ایک معلمہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منتظمہ بھی تھیں۔

ان دونوں خواتین کے حالات کا جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھائی سکھانے کا اہتمام فرمایا وہیں حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا کی صلاحیتوں کو پہچان کر ان صلاحیتوں کی نہ صرف حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ عملاً ایسا طریقہ اختیار کیا کہ باقی لوگوں کو بھی ان کی صلاحیتوں سے واقفیت ہوئی اور اس بات کا امکان ہے کہ دیگر خواتین نے بھی ان سے لکھنا سیکھا ہو۔

حرف آخر

آپ نے افراد سازی اور کردار سازی کے دوران افراد کی خصوصی دلچسپیوں اور رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی تربیت فرمائی اور اس تربیت کے دوران نہ صرف ان کی راہ نمائی فرماتے تھے بلکہ ان کو سیکھنے اور استفادہ کے مواقع بھی فراہم کرتے تھے اور اگر اس میدان میں کوئی رکاوٹ یا پریشانی پیش آتی تھی تو اس کو بھی حل فرماتے

(۱) الإصابہ، ۸/۲۰۱
(۲) الاصابہ، ۸/۲۰۲
(۳) ایضاً

تھے اور ان کی لگن اور محنت کو دیکھ کر ان کے لئے اس میدان میں مزید ترقی کے لئے دعائیں بھی فرماتے تھے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس سارے مرحلے میں آپ ﷺ ان کے مزاج اور دلچسپی کی بھرپور رعایت کرتے تھے اور جب یہ محسوس فرماتے تھے کہ اب ان میں اپنے میدانوں میں سے خاطر خواہ صلاحیت پیدا ہوگئی ہے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ان کی صلاحیتوں کا اظہار کرتے ہوئے ان کی تعریف بھی فرماتے تھے جو ایک طرف تو ان کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہوتا تھا اور دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ان سے مستفید ہونے کا پیغام بھی ہوتا تھا۔

نتائج

اس مقالے کی روشنی میں ہم درج ذیل نتائج پیش کرسکتے ہیں:

۱۔ والدین، اساتذہ اور معاشرے کے دیگر افراد کو تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔

۲۔ تربیت اور کردار سازی کے دوران اپنی خواہشات اور دلچسپیوں کو مد نظر رکھنے کے بجائے فرد کی دلچسپیوں اور خصوصی رجحانات کی رعایت کرنی چاہیے۔

۳۔ کردار سازی کا عمل صرف کلاس تک محدود نہ ہونا چاہیے بلکہ مختلف مواقع پر اس کی طرف توجہ دینی چاہیے اور سیکھنے کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں جیسے کہ ابن عباس کو آپ ﷺ نے حالت سفر میں سکھایا۔

۴۔ بعض اوقات کوئی شخص خود اپنے دلچسپی رجحانات سے آگاہ نہیں ہوتا ایسی صورت میں اس کی مناسب رہنمائی کرنی چاہیے۔

۵۔ کردار سازی اور تربیت کے مرحلے میں خصوصی دلچسپی اور رجحانات کو نمایاں کرنا چاہیے، ان کی آبیاری کرنی چاہیے اور ان کی رعایت کرتے ہوئے معاملہ کرنا چاہیے۔

۶۔ کردار سازی کے مرحلے میں جب کوئی خوبی دیکھی جائے تو اس کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ اس شخص کو اس میدان میں مزید آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا ہو۔

۷۔ نوجوانوں کو بھی اپنی دلچسپیوں اور رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے لئے عملی میدان کا انتخاب کرنا چاہیے۔

۸۔ عملی میدان کے انتخاب کے بعد اس میدان میں خوب محنت کرنی چاہیے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا چاہیے۔

۹۔ محنت کے دوران یہ سوچ کر کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ اس میدان میں تو بہت کام پہلے ہو چکا ہے یا بہت سے افراد پہلے سے موجود ہیں بلکہ اس کام سے واقفیت اور افراد سے استفادہ کرنا چاہیے جس کے نتیجے میں اس کا مقام خود بخود بنتا جائے گا۔

❁ ❁ ❁

نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صبر واستقامت
(عصر حاضر کے نوجوانوں کے لیے مشعل راہ)
Patience of Downtrodden Companions of Prophet Muhammad (ﷺ) as a guideline for youth

ڈاکٹر نور حیات خان*

ڈاکٹر احمد حسن**

ABSTRACT

The patience is the noblest virtue and lays great stress on being patient. Islamic History is full of the examples from the lives of Ṣaḥabah who sacrificed a lot. Islam delineates all the divers and broader aspects of patience in all its form. The need is to follow all these noble personalities called Ṣaḥabah in our lives in this era in order to show tolerance and give respect to others.

The Prophetic era is considered as the golden period wherein great students were trained to teach humanity, courage and determination. Although, having low status in society they taught the world how to lead a purposeful life with good morals and distinctive principles. They were the men rightly guided with high and far-seeing vision of the Prophet (ﷺ). They were the oceans of knowledge, instilled with spirit of service, thus stood as the exemplary icons of practical life. They chose indigent and destitute life but never extended their hands for help for their highly esteemed self-reliance. Those were men of field who never got afraid of anything in their life. They faced all the challenges with faith and patience, and with the spirit of Jihad, they crushed the infidels and uprooted infidelity from Arabian Peninsula.

Owing to their strong faith, they passed through many wild, menacing and brutal stages but never tilted towards the worldly things or people, nor did they compromised on their firm belief and clear stance cultivated by the Holly Prophet (ﷺ). This was the reason they got the title of (رضي الله عنهم) from Almighty Allah. This article is about those weak companions of the Prophet (ﷺ) who were icons of Patience and determination. Their patience is un-exemplary. They were gifted with excellent qualities of forbearance.

***Keywords**: Prophet, Companions, Challenges, Patience and Determination, Cooperation*

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

** لیکچرار اسلامک سینٹر، کوپن ہیگن، ڈنمارک

قرآن مجید نے پیغمبر اسلام ﷺ کے سیرت کو نمونہ عمل قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے انسانی تہذیب وتمدن اوراصول و قانون نے جنم لیا ہے اورآپ ﷺ کے لائے ہوئے نظام کی برکت اوراسلامی بھائی چارے کے ذریعے انسان ایک دوسرے کے غم گسار اور مدد گار بن گئے، جو دنیا کے لئے قابل تقلید نمونہ قرار پائے۔ ان عہد ساز ہستیوں کو رسولِ عربی ﷺ کی صحبت پر ناز ہے، جن کے اعلیٰ اخلاق کی ترجمانی اقبال نے ان خوب صورت الفاظ میں کی ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن (۱)

یہ عظیم انقلابی ہستیاں مشقت ومصیبت سے کبھی نہ گھبرائیں بلکہ راستے کی ہر رکاوٹ کو صبر واستقامت سے عبور کیا اور علم، خدمتِ خلق اور جذبہ جہاد سے ہر قسم کے چیلنجز کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ یہ مقالہ ان نوجواں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صبر واستقامت کے عظیم کردار کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

صحبتِ نبوی کی برکتیں

نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے وقت داداعبد المطلب نے کہا تھا: میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہوگی اور یہ حقیقت مسلّم ہے کہ آپ ﷺ کے ذاتِ بابرکات سے آپ ﷺ کی لونڈی ثویبہ جس نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، خوش خبری میں ابولہب سے آزادی پائی اوراسی طرح رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے تمام بنی ساعدہ سمیت ان سے استفادہ کیا۔

دادا کی وفات پر نبی رحمت ﷺ نے چچا حضرت ابو طالب کے زیر کفالت آتے ہی ان کے گھر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے قریش کی بکریاں اجرت پر چرائیں اور پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت شام لے جاکر خاطر خواہ منافع کے ساتھ واپس لوٹے۔ان دیانت دارانہ اور مخلصانہ کوششوں کا اثر تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریشی نوجوان محمد مصطفیٰ ﷺ کی دائمی صحبت اور برکتوں کی حقدار ٹھہری اور آپ ﷺ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئیں اور یوں آپ رضی اللہ عنہا گھرانہ نبوت کی پہلی ام المؤمنین بن گئیں اور ساتھ ہی غارِ حرا سے نزول وحی کا آغاز ۱۷ رمضان المبارک کو ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (۲) سے ہوا۔

نوجوانوں پر صحبتِ نبوی کے اثرات

انسانی قوتیں اور صلاحیتیں جوانی میں جو نتائج لاتی ہیں، ڈھلتی عمر میں وہ نتائج نہیں لاسکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ

(۱) علامہ، محمد اقبال، ضربِ کلیم، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص: ۶۸
(۲) سورۃ العلق:۱ (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)

معلمِ انسانیت ﷺ نے بہت سے متنوع قسم کی اہم ذمہ داریاں جوانوں ہی کو تفویض کی تھیں، جس کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں سے تھا اپنے وقت کی اعلیٰ تعلیمی درس گاہ، صفہ میں تعلیم آپ ﷺ خود دیا کرتے تھے، تاہم ابتدائی لکھائی پڑھائی نوجوانوں کے سپرد تھی۔ جنگِ بدر کے جن قیدیوں سے جن بچوں کو لکھائی پڑھائی سکھائی گئی تھی ان میں ایک نوجوان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کی ذہانت اور خوشخطی سے آپ ﷺ متاثر ہوئے اور اپنا پرسنل سیکرٹری بنادیا جس کو فارسی، حبشی، یونانی، اور عبرانی زبانوں میں مہارت حاصل تھی اور عبرانی محض ۱۷ دن میں سیکھ لی تھی۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کے دیگر کاتب بھی اکثر نوجوان تھے، مثلاً حضرت علی، معاویہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ نوجوان تھے۔

اسی طرح دیگر اہم ذمہ داریاں بھی اکثر جوانوں کو سپرد کی جاتی تھیں۔ مثلاً حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بارہا فوج کے سپہ سالار مقرر کئے گئے۔ جنگ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس معرکہ کا افسر بنایا گیا جو تقریباً ۲۵ سال کے جواں تھے اور انہیں گورنری اور قضاء جیسے حساس اور اہم عہدے بھی دیے گئے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن حزمؓ رضی اللہ عنہ کو اہلِ نجران کا گورنر بنایا گیا تھا جو صرف ۱۷ سال کے جوان تھے[1] اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی جواں ہی تھے کہ انہیں یمن وحضرموت کے اہم صوبے کے گورنری اور سیکرٹری تعلیم کی ذمہ داریاں بالترتیب دی گئیں تھیں بقول ڈاکٹر حمید اللہ آپ رضی اللہ عنہ گاؤں گاؤں اور ضلع ضلع تعلیمی دورے کیا کرتے تھے[2] علاوہ ازیں آپ ﷺ کے مشیر اکثر نوجوان تھے۔ اسی طرح سیاستِ مدن اور نظم نسق کیلئے عہدِ رسالت میں ہر گاؤں اور بستی میں دس آدمیوں پر ایک عریف مقرر تھا جو اکثر نوجوان ہوا کرتا تھا۔ چونکہ ان تمام امور میں آپ ﷺ کو مستعدی اور تعمیل پیش نظر ہوتا تھا جو ایک جواں ہی بہتر طور سے سرانجام دے سکتا تھا جو آج کی اشد ضرورت ہے تاکہ امت مسلمہ کی اہم ذمہ داریاں کم وقت اور کم خرچ پر سرانجام دے دی جائیں اور امت کو فائدہ پہنچایا جائے۔

حدیث میں دورِ جوانی کو نعمت قرار دیا گیا ہے لہذا اس کو صحیح رخ پر ڈالنا بہت ضروری ہے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ دینِ حق کی دعوت میں جوانوں کا بڑا کردار رہا ہے۔ قرآن مجید میں کئی ایک جوانوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان میں سے چند ایک کے نام بطورِ خصوصی قابلِ ذکر ہیں: ابراہیم، لوط، موسیٰ، یوسف، اصحابِ کہف اور محمد واحمد مجتبیٰ رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کا خصوصی تذکرہ قرآن مجید کے اوراق کی زینت ہے۔ اصحابِ کہف جن کے دلوں نے ایمان کی دولت پاتے ہی ہر طرح کے ناز ونعم کو چھوڑ کر صحرا، بیاباں اور پہاڑوں کا رخ کیا، حکومتِ وقت کی ریشہ دوانیوں سے بچنے اور اپنے ایمان کی دولت کو محفوظ کرنے کے لیے ہجرت کا پرخطر راستہ اختیار

(۱) ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب (بہامش الاصابۃ)، مطبعہ مصطفی محمد مصر، ۱۹۳۹ء، ۲/۵۱۰

(۲) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی وجانشینی، بیکن بکس لاہور، ۲۰۰۶ء، ص: ۹۲

کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں ان جوانوں کی توصیف ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

﴿ اِنَّھُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّھِمْ وَزِدْنٰھُمْ ھُدًی ﴾(١)

یہ چند نوجوان اپنے ربّ پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے اُنھیں ہدایت میں ترقی دی تھی

نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صبر و استقامت

مربی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت ہی اس نہج پر کی تھی کہ ان کے اصولِ زندگی اوراخلاق نہایت اعلی ہوں۔ اعلی معیار زندگی کے لیے انہوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا تا کہ دین کے جامع پروگرام کے ذریعے دنیا و آخرت کی سرخروئی سے ہم کنار ہو جائیں۔ دینِ اسلام جو ایک نعمتِ عظمیٰ کو عام کرنے کے لیے نوجوان صحابہ کرام عمار ان کی والدہ سمیہ، صہیب رومی، بلال حبشی اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم کو مشرکین پکڑ کر سخت تپتی دھوپ میں لوہے کی زرہ پہناتے تھے اور طرح طرح کے عذاب سے دوچار کرتے۔

دعوت و عزیمت

دعوت دین وہ میدان ہے جس میں خدمات سرانجام دینے کے لئے اللہ نے ان برگزیدہ ہستیوں کو منتخب کیا، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلو۔۔۔ وہ امت کے سب سے بہتر لوگ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آنے والی نسلوں تک اپنا دین پہنچانے کے لیے چُن لیا تھا"(٢)

اس راستے میں محض رضائے الٰہی کے خاطر طرح طرح کے آزمائشوں سے گزرے اور سخت ترین اذیتوں پر صبر کیا۔ کسی کام کو انجام تک پہنچانے کی ہمت اور جرأت کی عظیم قوت اس نوجوانی کے دور میں پائی جاتی ہے۔ ماہرینِ علم النفس نے زندگی کے اس دور کو حساس اور نازک دور قرار دیا ہے کہ اس عرصہ میں جو راہ بھی اسے مل جائے اپنا لیتا ہے خواہ اس میں مشکلات سے دوچار ہونا پڑے لیکن محنت سے جی نہیں چراتا۔ اس کی بہترین مثال قرآن مجید میں حضرت ابراہیم اور دیگر حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے واقعات ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود اور دیگر آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن کسی قسم کا خوف اور تردد نہ کیا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

---

(١) سورۃ الکھف:١٣

(٢) ابن الاثیر، مجد الدین، ابو السعادات المبارک بن محمد، جامع الأصول فی احادیث الرسول، تحقیق: عبد القادر الأرناؤط، مکتبہ الحلوانی، دار البیان، طبع اول، ١/ ٢٩٢

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں　　مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر(۱)

ایسے صاحبِ جنوں نوجوان حضرت یوسف علیہ السلام کی مشقت بھری زندگی، عفت وپاکدامنی میں، ہمت وجرأت کی ایک نادر مثال ہے، جس نے عیش وعشرت، رنگینی اور سلطنت کو مات دی اور سرنگوں ہونے پر مجبور کیا۔ جوانی کے اس سہانے دور کی قدر وقیمت کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِغْتَنِمْ خمساً قَبْلَ خمسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَ صِحَتَكَ قَبْلَ سُقمِكَ وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَ حَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ»(۲)

پانچ باتوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو فقر سے پہلے، فارغ اوقات کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

اس حدیث میں جن پانچ چیزوں کو غنیمت جاننے کی بات کی گئی ہے ان میں سے ایک جوانی ہے۔ شباب اور جوانی زندگی کا وہ سنہرا اور قوائے جسمانی کا قابلِ ذکر دور ہے جو انسانی صلاحیتوں سے مستفید ہونے کا دورِ کامل کہا جاسکتا ہے۔ اس دور کے صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر کوئی بھی کام منزلِ مقصود تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ بڑے بڑے انقلابات بھرپا کیے جاسکتے ہیں۔ لہذا آج کے مسلم نوجوان ہر طرح کے صلاحیتوں سے بہرہ ور ہیں، ان کی ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر امتِ مسلمہ کو کامیابی کے مقام پر لا کھڑا کیا جاسکتا ہے، جو پوری دنیا میں زوال کا شکار ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے ہی دور زوال میں ایک عظیم تاریخ رقم کی ہے، جو قابلِ ذکر ہونے کے ساتھ قابلِ تقلید بھی ہے۔

ضعفائے امت کی پامردی واستقامت

ایسے لوگوں نے ہمیشہ سے تاریخ میں عظیم کارنامے سرانجام دئے ہیں جو اپنے دور میں کمزور اور بے وقعت خیال کیے جاتے تھے، خواہ محمد عربی ﷺ کا زمانہ ہو یا سابقہ انبیاء کا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ﴾(۳)

اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل تھے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کرلی ہے

---

(۱) علامہ، محمد اقبال، بانگ درا، رابعہ بک ہاوس الکریم مارکیٹ، لاہور، ص:۲۴۸

(۲) الحاکم، ابو عبد اللہ، مستدرک علی الصحیحین، بمع تعلیقات ذہبی، ۴/۳۴۱

(۳) سورۃ ھود:۲۷

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ ان کمزور مگر اللہ کے دین کے پروانوں کے ساتھ رہ کر دنیا کے اندر انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ یہ بڑے کمال کے لوگ ہیں، ان پر اپنی نظریں جمائیں، ان سے توقعات وابستہ رکھیں کیونکہ یہی ہیں دین کے پروانے، ہر مشکل میں ساتھ دینے والے اور ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہنے والے، فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ﴾(١)

اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح وشام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہر گز نگاہ نہ پھیرو

ذیل میں ان وفا شعاروں کی پامردی کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے جنہوں نے زمانے کا رخ موڑ دیا تھا۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ

آپ کا نام بلال بن رباح حبشی، کنیت ابو عبد اللہ یا ابو عبد الرحمان ہے۔ آپ مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ناظمِ بیت المال اور سابقین اسلام میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شامل رہے ہیں۔ آپ نے رسول اللہ کے وفات کے بعد آذان دینا چھوڑ دی تھی اور دمشق میں بیس ٢٠ ہجری میں وفات پائی۔ بخاری اور مسلم نے آپ کی روایات کو نقل کیا ہے(٢)۔ امیہ بن خلف کے غلام تھے وہ ان کو بطحاء مکہ میں سخت تپتی دھوپ میں لے آتا، ان کو چت لٹا کر سینے کے اوپر ایک بہت بڑا بھاری پتھر رکھ چھوڑتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی دھوپ میں بٹھاتا، اور کہتا کہ تم اس حال میں رہو گے یہاں تک کہ مر جاؤ یا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے باز آجاؤ گے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ تھے کہ اس حال میں بھی اَحدٌ اَحدٌ پکارتے۔ مشرکین کے بچے ان کے گلے میں رسی ڈال کر بازیچہ اطفال بناتے، ابو جہل منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا۔ ابو بکر صدیق کا گھر بنی جُمَح کے محلے میں تھا وہ یہ ظلم دیکھتے دیکھتے تنگ آ گئے، آخر انہوں نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے موذن رسول کا لقب پایا اور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آذان دینا چھوڑ دی تھی لیکن جب بھی آذان دی، لوگوں کو مرغ بسمل کی طرح تڑپا دیتے اور عہدِ نبوی کا نقشہ لوگوں کے سامنے گھوم جاتا۔(٣)

---

(١) سورۃ الکہف:٢٨

(٢) ابن عساکر، مختصر تاریخ دمشق، تحقیق: روحیۃ النحاس، وغیرہ، دار الفکر للطباعۃ والتوزیع والنشر، دمشق، طبع اول، ١٩٨٤ء، ٢٠/٦٦، وزارۃ الأوقاف المصریۃ، تراجم موجزۃ للأعلام، ١/٨٥

(٣) ابن حبان، محمد بن حبان البستی، الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، ترتیب: علی بن بلبان، تخریج وتعلیق: شعیب الأرناؤط، مؤسسہ الرسالہ، بیروت، طبع اول:١٩٨٨ء، ١٥/٥٥٨

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور پھوپھی زاد بھائی ہونے کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمزلف بھی تھے۔ سولہ سال کے عمر میں نورِ ایمان سے بہرور اور اس راستے میں صبر و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے چچا آپ کو چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور اس قدر دھونی دیتا کہ دم گھٹنے لگتا لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتے کچھ بھی کر لو اب میں کافر نہیں ہو سکتا(۱)۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی دینِ اسلام کی سربلندی میں گزری۔ وفاشعاری اور فداکاری میں بے مثال۔ ۳۶ھ میں چونسٹھ (۶۴) سال کی عمر میں شہادت کا رتبہ پایا۔ مدینہ میں آپ رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا بھائی چارہ تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ترغیب سے آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کے لگ بھگ تھی اور ان آٹھ لوگوں میں سے ہیں جو ابتدائے اسلام میں ایمان لائے تھے۔ ان صاحب عزیمت واستقامت لوگوں میں سے ہیں جن کو قبولِ اسلام کی وجہ سے سخت سے سخت اذیتیں دی گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو اپنے بھائی عثمان بن عبید اللہ نے جو ایک سخت مزاج شخص تھا آپ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایک رسی سے باندھ کر سخت تشدد کا نشانا بنایا کہ اس طرح وہ اپنا مذہب چھوڑ دیں گے لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔(۲)

عظیم داعی اور قاری مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

آپؓ رضی اللہ عنہ اہلِ مکہ میں سب سے خوش پوش، خوش عیش، خوبصورت اور نہایت بہادر نوجوان تھے لیکن اسلام لانے کے بعد نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کی اور مصعب الخیر کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ بنی عبد الدار سے تعلق تھا، بدری صحابی اور سابقین اولین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اسلام میں سفیر اول کے ساتھ معلمِ اوّل کا اعزاز بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے۔ اسلام لانے کی پاداش میں گھر والوں نے رسی سے باندھ کر قید کر دیا۔ مہاجرین حبشہ کے ساتھ بھاگ کر ہجرت کی جہاں سے واپس مکہ آکر مدینہ کی طرف عازمِ ہجرت ہوئے۔ یہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مدینہ میں سب سے پہلے نماز جمعہ کا آغاز کیا اور اہل مدینہ کے قاری جانے جاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مدینہ منورہ کے سب سے بڑے سردار اُسید بن حضیر وسعد ابن معاذ رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہجرت النبی اور مدینہ النبی کی تاسیس میں خشتِ اول کا کام کیا اور دنیا کے نقشے پر سب سے پہلی اسلامی ریاست کے استحکام میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہ قابل رشک

---

(۱) ابن حجر، احمد بن علی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، تذکرہ زبیر بن العوام، دار الجیل، بیروت، طبع اول: ۱۴۱۲ھ، ۱/۵۲۶

(۲) ابن الاثیر، مجد الدین، ابو السعادات المبارک بن محمد، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، مکتبہ اسلامیہ طہران، ۳/۵۹

ہستی احد میں شہید ہوئی اور اتنا کفن دستیاب نہ ہو سکا کہ جس میں انہیں دفنایا جاتا، سر مبارک کو کپڑے سے ڈھانپا گیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی ۔ (١)

حضرت فاطمہ وسعید رضی اللہ عنہما اور دعوت وعزیمت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے دعوت کے راستے میں سختیاں برداشت کیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں لہولہان ہونا پڑا لیکن ان کے دلوں میں شمع ایمان روشن رہی اور ان دونوں کے عظیم دعوتی کردار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت دل انسان کو موم بنایا اور عرب کے اس نامور فرزند عمر رضی اللہ عنہ کو جو کہ اس وقت صرف ٢٦ سال کے باہمت وباصلاحیت نوجوان تھے، جسے آگے چل کر فاروق اعظم بننا تھا فاطمہ بنتِ خطاب اور سعید رضی اللہ عنہما نے ان کے اسلام کا خشت اول رکھ دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کو خون میں نہلاتے دیکھ کر احساسِ ندامت میں کہا جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی پڑھ کر سناو۔ اس شیر دل بہادر نوجوان عورت نے اپنے جسم سے خون صاف کیا اور وضو کرنے کے بعد سورتِ طہٰ کی تلاوت شروع کی تو ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ﴾(٢) کے سننے سے عمر رضی اللہ عنہ کا دل نرم ہوتا گیا اور جب فاطمہ ﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾(٣) پر پہنچیں تو عمر رضی اللہ عنہ بے اختیار زار وقطار رونے لگے، کفر دل سے نکل کر اسلام دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ تب حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی معیت میں آپ رضی اللہ عنہ کوہِ صفا پر واقع دارِ ارقم میں حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر قبول اسلام سے شرف یاب ہوگئے، جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جوشِ مسرت میں صدائے تکبیر بلند کی، جو بیت اللہ میں موجود لوگوں نے سنی اور اس کے بعد صحابہ کرام دو صفوں میں حضرت حمزہ اور عمر رضی اللہ عنہما کی قیادت میں بیت اللہ میں آئے اور اس منظر کو قریش دیکھ رہے تھے۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو الفاروق کا خطاب ملا (٤)۔

دعوتِ دین اور خدمتِ اسلام کے لئے اس ناتواں مگر شیر دل نوجوان خاتون نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مردِ آہن کے دل کو پگھلایا جو کبھی اپنی بہن اور بہنوئی کو قبولِ اسلام کی پاداش میں باندھ بھی دیا کرتے تھے(٥) اور اس عظیم ہستی کی صورت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سعید رضی اللہ عنہ نے وہ کارنامہ سرانجام دیا کہ دنیا جسے عمر

---

(١) الحاکم، نیشاپوری، ابو عبد اللہ، الأسامی والکنی، تحقیق: یوسف بن محمد، دار الغرباء الأثریہ، مدینہ منورہ، طبع اول: ١٩٩٤ء، ٥/ ٢٩١

(٢) سورۃ طہٰ: ٦

(٣) سورۃ طہٰ: ١٤

(٤) ابن عساکر، مختصر تاریخ دمشق، ١٨/ ٢٦٩

(٥) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب إسلام عمر، حدیث نمبر: ٣٨٦٧، ص: ١٤٧

الفاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد رکھتی ہے جس کا نام نامی اسلامی تاریخ میں زندہ وجاوید حیثیت رکھتا ہے، آپ کے اسلام لانے سے دعوتِ اسلام کو اعلانیہ پھیلنے کا موقعہ ملا اور مسلمان قوی ہو گئے۔(۱)

عمار وصہیب رضی اللہ عنہم کا صبر واستقامت

حضرت عمار رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے تھے۔ جب مکہ آئے تو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے حلیف رہے اور ان کی لونڈی سمیہ سے شادی کی۔ اور جب اسلام آیا تو سارے خاندان نے اسلام قبول کیا تو پورا خاندان مبتلائے عذاب کر دیا گیا۔ عمار رضی اللہ عنہ ان صاحبانِ عزیمت میں شامل ہیں کہ جن کی سیرت نے دوسرے اہلِ ایمان کو ہمت وحوصلہ دیا۔ اس باہمت مردِ درویش پر قریش اور امیہ بن خلف کے دستِ ستم کو دیکھ کر جو کبھی آپ رضی اللہ عنہ کو انگاروں پر لٹاتے اور کبھی پانی میں غوطہ دیتے، ازراہِ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سر پر ہاتھ پھیر کر فرماتے:

﴿ يَا نَارُ كُونِي بَرْداً وَسَلاماً عَلَى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلَى إِبْرَاهِيمَ ﴾(۲)

اے آگ ابراہیم کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا

اسی طرح ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمار، اور ان کے والد اور والدہ کے پاس سے گزرے جن کو بطحائے مکہ میں عذاب دیا جارہا تھا تو فرمایا: «اصْبِرُوا يَا آلَ عَمَّارٍ فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ»(۳) ان کے والد یاسر، والدہ سمیہ اور بھائی عبد اللہ رضی اللہ عنہم عذاب سہتے سہتے دنیا سے چلے گئے تھے، اب صرف عمار رہ گئے تھے۔ حضرت عمار کا شمار عظیم لوگوں میں سے ہے، جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ»(۴)

عمار رضی اللہ عنہ سے راہنمائی لو اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وفائے عہد سیکھو

حضرت صہیب وعمار رضی اللہ عنہم ایک ہی دن ایمان لائے تھے جس وقت تقریباً تیس لوگ ایمان لا چکے تھے اور ان کمزور اہل ایمان لوگوں میں سے تھے جنہیں اسلام کی وجہ سے مکہ میں عذاب دیا جاتا تھا۔

---

(۱) جس کے بارے میں ذکوان کا بیان ہے کہ میں نے عائشہؓ سے پوچھا کہ عمرؓ کا نام فاروق کس نے رکھا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالی نے حق کو عمرؓ کی زبان اور دل پہ القاء کیا ہے، اور وہ فاروق ہیں جن سے اللہ نے حق وباطل کے درمیان فرق کیا، انہوں نے اس وقت اسلام کا اعلان کیا جب لوگ اسے چھپا رہے تھے۔ دیکھیے: ابن عساکر، مختصر تاریخ دمشق، تحقیق: روحیہ النحاس، دار الفکر للطباعہ والنشر، دمشق، طبع اول: ۱۹۸۴ء، ۱۸/ ۲۷۷

(۲) ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اول: ۱۹۹۰ء، ۳/ ۱۸۸

(۳) الحاکم، مستدرک علی الصحیحین، ۳/ ۴۳۲

(۴) خطیب بغدادی، احمد بن علی، تاریخ بغداد، مطبعہ السعادہ بجوار محافظہ مصر، ۱۹۳۱ء، ۴/ ۳۴۷

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"كَانَ صُهَيْبُ بْنُ سِنَانٍ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ كَانُوا يُعَذَّبُونَ فِي اللهِ بِمَكَّةَ"(۱)

اور جب ہجرت کا ارادہ کیا تو اہل مکہ نے جو سلوک کیا وہ حضرت ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ رضی اللہ عنہ کی زبانی کچھ یوں ہے:

بَلَغَنِي أَنَّ صُهَيْبًا حِينَ أَرَادَ الْهِجْرَةَ إِلَى الْمَدِينَةِ قَالَ لَهُ أَهْلُ مَكَّةَ: أَتَيْتَنَا هَاهُنَا صُعْلُوكًا حَقِيرًا فَكَثُرَ مَالُكَ عِنْدَنَا وَبَلَغْتَ مَا بَلَغْتَ ثُمَّ تَنْطَلِقُ بِنَفْسِكَ وَمَالِكَ؟ وَاللهِ لا يَكُونُ ذَلِكَ. فَقَالَ: أَرَأَيْتُمْ إِنْ تَرَكْتُ مَالِي تُخَلُّونَ أَنْتُمْ سَبِيلِي؟ قَالُوا: نَعَمْ. فَجَعَلَ لَهُمْ مَالَهُ أَجْمَعَ، فبلغ النبيﷺ فقال: «رَبِحَ صُهَيْبٌ، رَبِحَ صُهَيْبٌ»(۲)

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب صہیب نے ہجرت مدینہ کا ارادہ کیا تو اہل مکہ نے اس سے کہا: تو ہمارے ہاں قلاش حقیر ہو کے آئے تھے، پھر آپ کی مال کی یہ حالت ہو گئی۔ اور اب تو اپنی مال و جان کو لے کے جا رہے ہیں؟ قسم بخدا ایسا نہیں ہو گا۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ مال چھوڑ جاوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ جاوگے؟ کہنے لگے ہاں۔ تو آپ نے ان کو اپنا تمام مال چھوڑا۔ اور یہ بات جب آپ کو پہنچی تو دو مرتبہ فرمایا: صہیب نے نفع کا سودا کیا۔

اس منظر کو شمس نوید عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ یوں نظم کیا ہے:

جو اس کی سمت بڑھے بے نوا غلام تھے وہ　　　شکار عشی و ستیفو تھے اسیر دام تھے وہ
نظام شرک کے کچلے ہوئے عوام تھے وہ
وہ سب دہکتی ہوئی بھٹیوں میں ڈالے گئے　　　اندھیرے ٹوٹ کے برسے جدھر اجالے گئے
وطن کی گود سے دھتکار کر نکالے گئے(۳)

استہزاء و استخفاف اور مظلوموں کی پامردی و استقلال

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمار بن یاسر، خباب بن الارت، صہیب رومی، بلال بن رباح، ابو فکیہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم جیسے لوگ سردارانِ قریش مسجد حرام میں بیٹھے دیکھتے تو مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ یہ ہیں اس شخص کے ساتھی؟ کیا ہمارے درمیان صرف یہی لوگ اللہ کے فضل کے مستحق رہ گئے تھے(۴) قرآن مجید نے ان کی رعونت کی تصدیق ان الفاظ میں کی ہے:

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳/۱۷۱

(۲) ایضاً

(۳) عثمانی، شمس نوید، کیا ہم مسلمان ہیں؟ حصہ دوم، ادراہ مطبوعات طلبہ، اچھرہ لاہور، طبع اول، ۲۰۰۸ء، ص:۱۱

(۴) بلاذری، احمد بن یحیی، الانساب الاشراف، تحقیق: عبد القادر عطاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۰ء، ۳/۱۷۱
مودودی، سید ابو الاعلی، سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۹ء، ۲/۵۳۲

﴿وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ﴾ (۱)

اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمایا ہے تاکہ یہ لوگ کہیں کیا یہی ہیں ہم میں سے جن پر اللہ نے فضل کیا ہے کیا اللہ شکر گزاروں کو جاننے والا نہیں ہے۔

مظلوموں پر ظلم وستم کے نتائج

مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ وہ ان کمزور اور مفلوک الحال مسلمانوں کا مذاق اڑانے اوراذیت دینے اوران پر اپنے جبر و دہشت جیسے کمینہ حرکتوں کا خوف طاری کر کے اسلام سے روکنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اسلام کے پھیلاؤ کو روک دیں گے لیکن نتائج ان کے توقعات کے برخلاف سامنے آرہے تھے۔ معاشرے کے ہر صالح عنصر اور فرد ان مظلومین کے اخلاقِ عالیہ کا گرویدہ ہوتا جارہا تھا اور اپنے ابنائے جنس سے نفرت کرنے لگے تھے۔ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"اس بے رحمی وسنگدلی کو دیکھ کر ہر نیک سرشت انسان کی فطرت کفر اور اس کے علمبرداروں سے نفرت کرنے لگی اور جس صبر واستقامت کے ساتھ مسلمانوں نے اس بے جا ظلم کو برداشت کیا اس کی وجہ سے تمام غیر متعصب دلوں میں ان کے لئے ہمدردی بھی پیدا ہوئی اور قدر و منزلت بھی۔۔۔ سب سے بڑا فائدہ اس ظلم کا اسلام کو یہ پہنچا کہ اس بھٹی سے گزر کر جو لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئے وہ نسلِ آدم کے بہترین انسان تھے۔ اس حالت میں کوئی کمزور سیرت و کردار کا آدمی اس طرف کا رخ بھی نہ کر سکتا تھا" (۲)

اسلام میں ضعیف اور کمزور مسلمانوں کا رتبہ

صبر واستقامت کے ان متوالوں نے سنگدلانِ زمانہ کے دلوں کے تالے توڑ دیے اور ان میں ایمان کی تخم ریزی کی اور حسنِ اخلاق سے اس کی ایسی آبیاری کی جس کے نتیجے میں اسلام کو پھیلنے کا موقعہ ملا۔ ایسے اصحابِ عزیمت اہلِ ایمان کا جو رتبہ اللہ تعالی نے قابلِ رشک انداز میں بیان کیا ہے، اس کا تذکرہ سابقہ ابحاث میں گزرا ہے کہ اے نبی ﷺ ان اصحابِ عزیمت لوگوں کی صحبت میں رہا کرو جو آپ ﷺ کی معیت میں صبح وشام اپنے رب کے پکارنے کو

(۱) سورۃ الانعام:۵۳

(۲) مودودی، سیرت سرورِ عالم، ۲/۵۵۱

اپنا مطمع نظر بنائے ہوئے ہیں اور اسی کی رضامندی چاہتے ہیں لہذا ان کو اپنے آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹانا چنانچہ امام مسلم سورۃ الکہف آیت ۲۸ کی تفسیر میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کرتے ہیں:

"ان سے مراد وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو غریب اور کمزور تھے جن کے ساتھ بیٹھنا اشرافِ قریش کو گوارانہ تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، میرے علاوہ بلال، ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک ہذیل قبیلے کا صحابی اور دو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تھے۔ قریشِ مکہ نے خواہش ظاہر کی کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹادو تاکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنیں، لیکن اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرنے سے منع کیا"(۱)۔

لیکن ان سنگدلانِ زمانہ کو کیا معلوم کہ یہ ضعیف اور کمزور لوگ معاشرے کے لئے باعثِ خیر اور رحمت ہیں، اگر ان کے حقوق سے آنکھیں بند کر دی جائیں اور ان کے عزت وقار کا خیال نہ رکھا جائے تو مخلوق پر اللہ کی رحمتیں روک دی جاتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:

«مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَاحْتَجَبَ عَنْ ضَعَفَةِ الْمُسْلِمِينَ احْتَجَبَ اللهُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(۲)

جس کو مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سونپی گئی اور اس نے ضعیف و کمزور مسلمانوں کو اپنے سے دور رکھا، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ان کو اپنے سے دور کر کے ان سے پردہ فرمائے گا

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ معاشرے کے نادار اور کمزور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا خیال رکھا۔ وہ معاشرہ اسودہ حال اور مطمئن تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ان کے پاس جایا کرتے تھے اور ان کے سماجی معاملات میں شرکت فرماتے تھے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

«يَأْتِي ضُعَفَاءَ الْمُسْلِمِينَ، وَيَزُورُهُمْ وَيَعُودُ مَرْضَاهُمْ، وَيَشْهَدُ جَنَائِزَهُمْ»(۳)

کمزور اور مظلوم مسلمانوں کے پاس آتے، ان کی زیارت فرماتے، ان کی مریضوں کی عیادت کرتے اور ان کے جنازوں میں شرکت فرماتے تھے۔

انہی غریب اور نادار مسلمانوں کا اللہ کے ہاں بڑا رتبہ ہے اور قیامت والے دن بھی کام آسکتے ہیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا:

---

(۱) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر:۲۴۱۳، دارالحدیث قاہرہ، ۱۹۹۱ء، ۱۸۷۸/۴

(۲) طبرانی، المعجم الکبیر، تحقیق: حمدی بن عبد المجید السلفی، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرۃ طبع دوم: ۱۹۹۴ء، ۱۵۲/۲۰

(۳) حاکم، محمد بن عبداللہ، مستدرک علی الصحیحین، ۵۰۶/۲

«اطْلُبُوا الْأَيَادِي عِنْدَ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّ لَهُمْ دَوْلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(۱)

غریب اور فقیر مسلمانوں کا قرب حاصل کرو کیونکہ قیامت کے دن وہ بڑی سلطنت کے مالک ہوں گے۔

یعنی بڑے صاحب قدر و منزلت ہوں گے اور مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے (۲) اسی تناظر میں غریب اور نادار مسلمان اللہ کے نبی ﷺ کے ہاں کیا مرتبہ رکھتے تھے؟ واثلہ بن واثلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اہلِ صفہ میں سے تھا، ایک دن آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«كَيْفَ أَنْتُمْ بَعْدِي إِذَا شَبِعْتُمْ مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ وَالزَّيْتِ، وَأَكَلْتُمْ مِنْ أَلْوَانِ الطَّعَامِ، وَلَبِسْتُمْ أَلْوَانَ الثِّيَابِ؟ فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ»(۳)

تمہارا کیا حال ہو گا میرے بعد جب تم گندم کی روٹی اور روغن سے سیر ہو جاوگے اور قسم قسم کے کھانے کھاؤ گے اور قسم قسم کے لباس پہنو گے؟ لیکن آج تم جس حالت میں ہوں اس سے بہت بہتر ہو۔

نبی کریم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ آج کی جو تمہاری حالت ہے آخرت کے لحاظ سے بہت بہتر ہے، اس کا اندازہ قحط سالی رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا تھا جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سو اونٹوں پر مشتمل غلے کا تجارتی قافلہ شام آیا اور تاجرانِ وقت نے بڑی خطیر رقموں کی پیشکش کی لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس سے زیادہ کی پیش کش ہوئی ہے۔ لیکن تاجروں کو یہ بات سمجھ نہیں آئی اور سوچنے لگے کہ وہ کون ہو گا جو ہم سے زیادہ قیمت دے سکے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ عزوجل نے ہر درہم کے عوض مجھ سے دس کا وعدہ کیا ہے۔ کیا تمہارے پاس اس سے زیادہ ہے تو انہوں نے کہا بخدا نہیں، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے یہ غلہ فقیر اور محتاج مسلمانوں کے لئے صدقہ کر دیا ہے"(۴)

یہ عظیم صدقہ جو غریب، کمزور اور محتاج لوگوں پر کیا گیا تھا اللہ کے ہاں اس قدر محبوب ٹھہرا کہ ابن عبّاس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اسی رات رَسُول اللہ ﷺ کو ترکی گھوڑے پر سوار خواب میں دیکھا جو نور کا خوبصورت جوڑا زیب تن کئے ہوئے تھے اور پاؤں میں نور کے جوتے اور ہاتھ میں نور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ ﷺ جلدی میں تھے، میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ ﷺ کے ساتھ بات چیت کا انتہائی مشتاق ہوں، آپ

(۱) ابو نعیم، أحمد بن عبد اللہ الاصبہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، السعادۃ بجوار محافظۃ مصر، ۱۹۷۴ء، ۸/۲۹۷
(۲) احمد بن حنبل، الامام، مسند ابی ہریرہ، تحقیق: شعیب الارناؤط وآخرون، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول: ۲۰۰۱ء، ۱۴/۲۰۸
(۳) الدولابی، محمد بن احمد، الکنی والاسماء، تحقیق: ابو قتیبہ نظر محمد الفاریابی، دار ابن حزم، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۰ء، ۲/۵۱۷
(۴) آجری، محمد بن الحسین، الشریعہ، تحقیق: ڈاکٹر عبد اللہ بن عمر، دار الوطن، ریاض، طبع دوم: ۱۹۹۹ء، ۴/۲۰۱۲

ﷺ کہاں جلدی میں ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک عظیم صدقہ کیا ہے اور اللہ تعالی نے اسے قبول کیا اور اسے اس کے بدلے جنت میں ایک حور سے نکاح کرایا ہے اور ہمیں شادی کی دعوت دی ہے۔ (١)

خلاصہ بحث

مالی تنگی اور سماجی حالات میں ناہمواری زندگی میں عظیم کارناموں کو سرانجام دینے میں مانع نہیں ہوتی، اگر فکری ہم آہنگی اور جذبہ صادقہ ساتھ ہو تو جوانی کا یہ دور بہت ہی قیمتی سرمایا ہے۔مال کمانے کا تعلق ہو یا حصول علم کا یا صلاحیتوں اور مہارتوں میں نکھار پیدا کرنا ہو، ان سب کا صحیح وقت بھی یہی ہے۔اسی عمر میں نوجوان مختلف علوم وفنون کی منازل طے کرسکتے ہیں۔اسی دور کے عمل کو علامہ اقبال نے "ضربِ کاری" قرار دیا ہے۔عمر کے اسی مرحلے میں نوجوان صحابہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے شانہ بشانہ عہد وپیمان باندھا اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیے تو بارگاہِ نبوی سے صدیق، الفاروق، شیر خدا، سیف اللہ وغیرہ جیسے عظیم القابات حاصل ہوئے۔

اسی عمر میں ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مجدد دین علوم کی گہرائیوں میں اترے، اسی دور شباب میں صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی تاریخ کو اپنے کارناموں سے منور کیا۔ اسی عمر میں حسن البنا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مصر کی سرزمین میں مدوجزر اور فرعونی وطاغوتی نظام کے اندر تلاطم خیزی پیدا کی اور دعوت الی اللہ کے لیے مسکن بنایا۔ صحافت کے میدان میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہما نے نوجوانی ہی میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔

سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے محض چوبیس (٢٤) سال کی عمر میں "الجہاد فی الاسلام" جیسی معرکہ آرا کتاب لکھ کر ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جن میں اس وقت نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلمان بھی گرفتار تھے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسی عمر کو غنیمت سمجھنے کی تلقین کی ہے کیونکہ بڑے بڑے معرکے اور کارنامے اسی عمر میں انجام دئے جاسکتے ہیں۔

آج کا نوجوان اگر مؤاخات کی روشنی میں ایک دوسرے کے بھائی ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ اور سرپرست ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ بن جائیں تو کون سی چیز امت مسلمہ کو قیادت سے روک سکتی ہے۔ہر انقلاب چاہے سیاسی ہو یا اقتصادی، معاشرتی ہو یا سائنسی، اطلاعاتی ہو یا نشریاتی، یا ملکی وبین الاقوامی سطح کا ہو، غرض ہر میدان میں جوانوں کا کردار نہایت اہم اور کلیدی ہوتا ہے۔روس کا انقلاب ہو یا فرانس کا، عرب بہاریہ ہو یا مارٹن لوتھر کنگ کا برپا کردہ انقلاب، غرض کہ ہر انقلاب کو برپا کرنے کے پیچھے جوانوں کا اہم کردار کارفرما رہا ہے۔ماضی میں جو بھی چھوٹی بڑی تبدیلی آئی جوانوں ہی کے ذریعہ آئی ہے اور زمانہ حال میں بھی ہر چھوٹی بڑی

---

(١) الشریعہ، ٢٠١٢/٤

تنظیم یا تحریک چاہے سیاسی ہو یا مذہبی، سماجی ہو یا عسکری ان میں جوان ہی پیش پیش ہیں۔ مستقبل میں بھی ہر قوم وملک اور تنظیم انہی پر اپنی نگاہیں اور توجہ مرکوز کئے رکھے گی۔

نتائج

۱۔ جوانی کی زندگی میں تمام تر قوائے جسمانی اور صلاحیتیں عموماً بحال ہوتی ہیں۔

۲۔ ان صلاحیتوں سے اگر بروقت فائدہ نہ اٹھایا جائے تو ضائع ہو جاتی ہیں۔

۳۔ جوانوں کی سرگرمیاں ہر تہذیب میں مسلم رہی ہیں۔

۴۔ جوان ہی معاشروں میں مستقبل کے معمار شمار کئے جاتے ہیں۔

۵۔ ان سے عموماً ذمہ داریاں نبھانے کی امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں۔

سفارشات

۱۔ مثبت پرگراموں کے ذریعے جوانوں کی صلاحیتیں قوم وملک کے لئے کارآمد بنائی جائیں۔

۲۔ امانت ودیانت، خدا خوفی، جذبہ ایثار، اخلاص وفا، ہمدردی و بھائی چارہ، سادگی وسچائی، علم سے محبت اور خوش خلقی جیسی صفات واخلاق ان میں ودیعت کرنے کا اہتمام اسی عمر میں کیا جانا چاہیے۔

۳۔ اخوتِ اسلامی کو فروغ دینے کے لیے ان کے اندر جذبہ بیدار کیا جائے۔

۴۔ اصول پسندی کو ان کی روح میں ڈالا جائے۔

۵۔ نظم وضبط کے قیام میں کردار ادا کرنے کے لئے ان کی تربیت کی جائے۔

❁❁❁

نوجوانوں کی تربیت اور منہج نبوی

Training of Youth and Prophetic Methods

ڈاکٹر نسیم اختر *

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی **

ABSTRACT

Undoubtedly, Youth play cardinal role in the development and reformation of any society. Their activities produce an immense influence in the social development and progress. This article aimed at highlighting the important role of youth in social reforms by keeping in view the Islamic personalities like great companions of Holy Prophet (ﷺ). Descriptive and qualitative research approach was employed for the collection and analysis of data. The systematic review of scholarly literature on Islamic history revealed that the Prophet Muhammad (ﷺ) gave particular emphasize to nourish young generation in order to mold their lives into an ideal and balanced personality. He by developing intellectual, spiritual, and emotional skills produced such great men who led the mankind and became heroes of history. At the same time they appeared as ideal traders, peaceful citizens, just rulers, true followers of Holy Prophet (ﷺ) and loyal worshiper of Allah Almighty. The research by observing present condition of youth found that unfortunately our youth was found in illicit, unethical, useless, and peace demoting activities which promoted social evils and criminal activities. They got involved in unlawful activities including terrorism, killing, robbery, and kidnapping etc. By keeping view the above findings the research strongly recommends to nurture our youth on the footsteps of companions of Holy Prophet (ﷺ) in order to bring peace and prosperity in the country. Moreover they should be given awareness about the lives of heroes of Islam who appeared with great titles on the horizon.

Keywords: *Training, youth, Holy Prophet (ﷺ), heroes, society*

* شعبہ اسلامیات، شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونیورسٹی، پشاور

** لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اقوام عالم کی تقدیر، مجازاً، ہمیشہ افراد کے ہاتھوں میں رہی ہے اور دنیا کی تعمیر و تخریب میں ان افراد کا بڑا حصہ رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارا ہوتا ہے لیکن اس ستارے کی روشنی، چمک اور دمک اس وقت تک اپنے عروج پر رہتی ہے جب یہ اپنے عہد شباب میں نور و انوار کا مسافر اور متمنی رہا ہو۔ جس طرح فلک کے عرشے پر موجود ستاروں کی روشنی ان کی ذاتی نہیں بلکہ شمس و قمر سے مستفاد ہوتی ہے، اسی طرح ملت کے ان مقدر ستاروں کی رعنائیاں اور توانائیاں بھی کسی نور کی ملتجی ہوتی ہیں۔ یہ نور بلکہ مرکز نور، ذات مصطفیٰ ﷺ میں مل سکتا ہے جہاں پہنچنے کے بعد تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور اجالے کا بول بالا ہوتا ہے۔ جہاں زانوئے تلمذ طے کرنے کے بعد بے آب و گیاہ وادیِ حیات، قابل کاشت نہیں بلکہ زرخیز تر ہو جاتی ہے اور اس پر وہ فصل لہلاتی ہے جس سے انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہوتا ہے اور حسرت و یاس شکست خوردہ ہونے کے بعد شرمندہ اپنے گھروں کو لوٹ جاتی ہیں۔

عصر حاضر میں جب انسانیت مسائل کے گرداب میں پھنس چکی ہے بالخصوص نسلِ نو، جو بے پناہ قوت اور صلاحیتوں کے باوجود انگشت بدنداں اور اب انتشار کی کیفیت سے دوچار ہے، اور حالت بایں جا رسید کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن، کے مسائل کا حل سیرت نبویہ میں مضمر ہے بشرطیکہ نوجوانان قوم کی تربیت اس طرز پر کر دی جائے جسے منہج نبوی کہتے ہیں۔ زیر نظر مقالہ اسی حوالے سے ادنی سی کوشش ہے کہ ملت کے ان ستاروں کی تربیت اگر منہج نبوی پر کر دی جائے تو یہ انشاء اللہ کل کے مستقبل کو روشن کر سکتے ہیں۔ نوجوانوں کی اہمیت کیا ہے اور اسلام انہیں کس نظر سے دیکھتا ہے؟ منہج نبوی پر نوجوانوں کی تربیت کیسے کی جاسکتی ہے؟ ذیل میں اسی حوالے سے گفتگو کی جارہی ہے۔

اہمیتِ شباب اسلام کی نظر میں

نوجوانی کی عمر خاص عطیہ خداوندی ہوتی ہے جس کا دورانیہ پندرہ سال سے لے کر چالیس سال تک ہوتا ہے۔ اس عرصے میں انسان کے قُویٰ اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُۥ وَبَلَغَ أَرۡبَعِينَ سَنَةً﴾۔[1]

یہاں تک کہ وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوگیا۔

علامہ ابن کثیرؒ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُۥ کی تفسیر (أي قوي وشبّ) سے کرتے ہیں کہ وہ طاقت ور اور جوان ہوا۔ وَبَلَغَ أَرۡبَعِينَ سَنَةً میں لکھتے ہیں (تناهىٰ عقله و فهمه)[2] کہ اس کا عقل و شعور اپنے کمال کو پہنچا۔ جوانی کا دورانیہ عمر عزیز کا بہترین حصہ ہوتا ہے جس میں اعضاء و جوارح بھرپور کام کرتے ہیں، حواس خوب ساتھ دیتے ہیں اور عقل

---

(۱) سورۃ الاحقاف:۱۵

(۲) ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، ۷/۲۵۸

شعور مکمل طور پر اعمالِ انسانی کی نگرانی کرتا ہے۔ مذہب اسلام جوانی کی عمر کو خاص عنایت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے نوجوانوں کو رشد وہدایت کے اپنانے اور باطل سے ٹکرانے پر خراج تحسین پیش کیا ہے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَا آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ﴾[۱]

چنانچہ موسیٰ پر اس کی قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کوئی بھی ایمان نہ لایا انھیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں فرعون اور اس کے درباری انھیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں اور فرعون تو ملک میں بڑا غلبہ رکھتا تھا اور وہ حد سے بڑھ کر جانے والوں میں سے تھا۔

حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانا اپنے آپ پر مظالم کی دعوت دینے کے مترادف تھا اسلئے کہ فرعون اور اس کے اعوان وانصار، ایمان لانے والوں پر جبر وستم کی داستانیں رقم کر دیتے تھے مگر یہ نوجوان ہر طرح کے خطرات سے بے نیاز ہو کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے۔ اصحاب کہف جنہوں نے ایمان کی شمع کو روشن کئے رکھا اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اس طرح سے کیا:

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾[۲]

وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے اور ہم نے انھیں مزید رہنمائی بخشی۔

نبی کریم ﷺ نے جوانی کی اہمیت کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ بروز قیامت آدمی کے قدم اس کی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے تاوقتیکہ وہ پانچ سوالات کے جوابات نہ دیدے عمر کہاں گزر بسر کی؟ جوانی کو کن کاموں میں گزارا؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم تھا اس پر کتنا عمل کیا؟[۳] یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب دے کر ہی جان چھوٹے گی۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ پہلا سوال پوری عمر کے بارے میں ہے کہ وہ کہاں گزر بسر کی؟ پھر اس کے بعد جوانی کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ اصل عمر ہی جوانی کی ہے قرآن کریم اس عمر کو "قوت" سے تعبیر کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً﴾[۴]

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزور سی حالت سے پیدا کیا۔ پھر اس کمزوری کے بعد تمہیں قوت بخشی پھر اس قوت کے بعد تمہیں کمزور اور بوڑھا بنادیا۔

---

(۱) سورۃ یونس:۸۳
(۲) سورۃ الکھف:۱۳
(۳) الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن، حدیث نمبر:۲۴۱۷، شرکہ مکتبہ مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۷۵ء، ۴/۶۱۲
(۴) سورۃ الروم:۵۴

ایک مقام پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے، تندرستی کو بیماری، تونگری کو فقیری، فراغت کو مصروفیت، اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔[١] اس حدیث میں جوانی کو بڑھاپے سے قبل غنیمت بتایا گیا ہے اس لئے کہ بڑھاپے میں انسان اگر اعمال، کثرت سے بھی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اس لئے کہ قُویٰ اور اعضاء و جوارح ساتھ نہیں دیتے۔ بیماری بھی اسی عمر میں آگھیرتی ہے تو ماسوائے حسرت و تمنا کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا، لہذا ضروری ہے کہ انسان جوانی کی عمر کو غنیمت سمجھے اور اعمال صالحہ میں اس عمر عزیز کو صرف کر ڈالے تاکہ جس دن روز محشر قائم ہو، اسے عرش خداوندی کے نیچے سایہ نصیب ہو۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سات اشخاص کو عرش خداوندی تلے اس دن سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ اس میں ایک امام عادل ہے۔ دوسرا وہ نوجوان ہے جس نے اپنی جوانی عبادت خداوندی میں صرف کر ڈالی۔ تیسرا وہ شخص ہے جس کا دل ہمہ وقت مسجد میں اٹکا رہا۔ چوتھے وہ دو اشخاص ہیں جو محبت خداوندی میں ایک دوسرے کے تعلق دار بنے اور اسی کی بناء پر ان میں دوری پیدا ہو گئی۔ پانچواں شخص وہ ہے جس کو جاہ و منصب رکھنے والی خوبصورت عورت نے دعوتِ گناہ دی مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اسے خوفِ خدا مانع ہے۔ چھٹا شخص وہ ہے جو دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے تو اس کے بائیں کو خبر تک نہیں ہوتی اور ساتواں شخص وہ ہے جو تنہائی میں ذکر الٰہی کرتا ہے تو اس کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔[٢]

کیا مقام و مرتبہ ہے ایسے نوجوان کا جو اپنی زندگی کو اطاعت خداوندی میں صرف کر ڈالے اور معاصی سے اجتناب کرے تو پھر رحمت خداوندی اس پر یوں سایہ فگن ہوتی ہے کہ عرش بریں کا سایہ اسے نصیب ہوتا ہے۔ رب العالمین کا لاکھ شکر ہے کہ ایسے نوجوانوں کی کمی نہیں جن کی زندگیاں قرآن و سنت سے وابستہ ہیں۔ مساجد و مدارس جن کے دم سے آباد ہیں۔ علماء و صوفیاء کی مجالس کی وہ رونق ہیں لیکن ایک بہت بڑی تعداد لہو و لعب اور منکرات میں مشغول ہے۔ کفار اور فساق سے تشبہ، تہذیب و ثقافت میں ان کی پیروی، ترک صلوۃ، شعائر اسلام میں کہیں سستی و غفلت اور کہیں اس کا استہزاء و مذاق، غنا و موسیقی، رقص و سرور اور شراب و کباب کی مجالسِ سوء کا انعقاد، گلیوں بازاروں، چوکوں، چوراہوں میں آوارگی اور ایذاءِ محصنات، چوری چکاری اور دن دیہاڑے ڈاکہ زنی وہ منکرات ہیں جو نسلِ نو میں آداخل ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان منکرات کے ارتکاب کی ذمہ دار یہ نوجوان نسل خود ہے یا کوئی اور؟ کیا اس کی تربیت ٹھیک انداز سے کر دی جاتی تب بھی اس کی روش یہی ہوتی؟ نہیں! شاید ہرگز نہیں!! اگر نسلِ نو کی تربیت اس منہج پر ہو جاتی جو نبی کریم ﷺ کے طفیل اس امت کو ملا ہے تو شاید حالات یہ نہ ہوتے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے نوجوانوں کی تربیت کیسے فرمائی جسے اپنا کر نسلِ نو مثبت رُخ پر ڈالا جا سکتا ہے، ذیل میں اسی حوالے سے گفتگو کی جا رہی ہے۔

(١) ابن ابی شیبہ، المصنف فی الأحادیث والآثار، حدیث نمبر: ٣٤٣١٩، مکتبۃ الرشد، الریاض، ١٤٠٩ھ، ٧/٧٧

(٢) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، حدیث نمبر: ١٤٢٣، دار طوق النجاۃ ١٤٢٢ھ، ٢/١١١

تربیت ایمانی اور منہج نبوی

صنف انسانی کی تربیت میں پہلا مرحلہ ایمان اور اس کی پختگی کا ہے۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی محنت کا محور یہی ایمان رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوری مکی زندگی میں اسی محورِ اساسی پر محنت فرمائی ہے۔ اس لیے کہ ایک مرتبہ جب یہ پختہ ہو جائے تو اس پر وہ اساس جنم لیتی ہے کہ گناہوں کے منہ زور طوفان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور بندہ مومن سدِ سکندری ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اعمال میں سب سے افضل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان۔[۱] یہ ایمان ہے ہے جس کی بدولت انسان جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے وگرنہ اس کے اعمالِ صالحہ کے ذخیرے اکارت چلے جاتے ہیں لہٰذا سب سے پہلے تربیتِ ایمانی ضروری ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ سرورِ دوجہاں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم صاحبِ ایمان نہ ہوں۔[۲] مذہب اسلام، جس کے شعبہ ہائے تربیت میں تعلیم و تعلم، سلوک و تصوف، دعوت و جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر شامل ہیں، سب کا انحصار ایمان پر ہے۔ آپ ﷺ نے لا الٰہ الا اللہ کے ذریعے صحابہ کی ایسی تربیتِ ایمانی فرمائی کہ وقت کے فرعون انہیں خس وخاشاک نظر آئے۔ اس وقت کی عالمی طاقتوں سے وہ نبرد آزما ہوئے اور انہیں طفلِ مکتب بنا ڈالا۔ یہ سب کچھ "لا" کے ذریعے مجازی طاقتوں کی نفی، "الا اللہ" کے حقیقی اعتراف اور محمد الرسول اللہ کے نقش قدم پر چلنے سے ممکن ہوا۔ آج حسرت و یاس کے مارے نوجوانوں میں پھر اُسی حرارتِ ایمانی کی ضرورت ہے جس کے بل بوتے وہ حالات کا دھارا درست کریں۔

کتابِ ہدایت کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ کے تربیتی منہج میں ایک خاص ترتیب ہے جس میں ایمان کے بعد دوسرا مرحلہ کتابِ ہدایت، قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ حضرت جندب بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ ہم ایامِ شباب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ ﷺ نے پہلے ہمیں ایمان سکھایا اور پھر اس کے بعد کتاب اللہ کی تعلیم دی جس سے ہمارے ایمان میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔[۳] ابن عبد البر کہتے ہیں کہ حصولِ علم کے درجات اور مراتب ہیں جن سے تعدی کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں۔ ان میں (ایمان کے بعد) کتاب اللہ کی تعلیم ہے۔[۴]

درج بالا حدیث یہ بتاتی ہے کہ ایمان کے بعد نونہالان کی تعلیم و تربیت نہ صرف حفظ قرآن، تلاوت قران بلکہ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۶، ۱/۱۸

(۲) ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داوٗد، باب فی اِفشاء السلام، حدیث نمبر: ۵۱۹۳، المکتبۃ العصریہ، صیدا، بیروت، ص: ۳۵۰

(۳) ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن، حدیث نمبر: ۶۱، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، ۱/۲۳

(۴) خطیب بغدادیؒ، جامع بیان العلم وفضلہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲/۱۶۶

اس کے الفاظ و معانی میں تفکر و تدبر کے ذریعے ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ یہی وہ شاہِ کلید ہے جس سے حیاتِ انسانی کے تمام قفل کُھل جاتے ہیں۔ سربستہ رازوں سے پردہ اٹھتا ہے اور محدود عقل انسانی کو جلا مل جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے مکی زندگی میں پہلے اپنے اصحاب کو ایمان سکھلایا پھر کتاب و حکمت سے انہیں اس طرح روشناس کروایا کہ وہ تراشے ہوئے ہیرے نظر آنے لگے جس میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو اوج کمال تک پہنچایا۔ شاعر نے کیا خوب کہا:

در فشانی نے تیری نظروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے راہوں پر وہ اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تعلیمِ قرآن کے منہج پر نوجوانان کی تربیت وہ نسخۂ کیمیا ہے جو ہر نوجوان کو ایک صحیح سمت کرتا ہے جس پر چلنے کے بعد اس کی سرگرمیوں کا رخ درست ہو جاتا ہے اور وہ دنیا و آخرت کی کامیابیاں سمیٹ لیتا ہے۔ نوجوانوں کو چاہئے کہ جب وہ کتاب اللہ کا مطالعہ کریں تو اسے صرف چند عبادات کا مجموعہ نہ سمجھیں بلکہ یہ تو وہ جامع ضابطۂ حیات ہے جو اخلاقیات و سماجیات، معاشیات و سیاسیات، ابلاغیات و بشریات سمیت ہر گوشہ زندگی پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہیں سے علوم نافعہ و غیر نافعہ کا دور اہابنتا ہے جس میں کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ سراپائے علومِ نافعہ ہیں۔ آپ ﷺ نے جب کتاب اللہ کی تعلیم دی تو اسرارِ شریعت بھی سکھائے اور رموزِ دنیا بھی۔ بدر میں تعلیم و تعلم کا فدیہ قرار پانا، صحابہ میں فن کتابت کا رواج پانا اور مختلف زبانوں سے آشنا ہونا سب رموزِ دنیا کی تربیت تھی۔

نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ کتاب و سنت میں غوطہ زن ہو کر اپنی سرگرمیوں کا رخ ان علوم نافعہ کی طرف موڑ دیں جن کا حکم قرآن حکیم نے أفلا يتفكرون اور أفلا يتدبرون کے ذریعے انہیں دیا ہے۔ اسی میں تعمیر کائنات بھی ہے اور تسخیر دنیا بھی۔ دونوں حکم قرآنی ہیں اور رضائے الہیٰ کے حصول کا ذریعہ بھی۔ مربی کو چاہئے کہ نونہالان کی تربیت اس انداز میں کرے کہ وہ حصولِ علم میں اپنے آپ کو کھپا ڈالیں کیونکہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

خشیت وللٰہیت

خشیت وللٰہیت وہ جواہر اساسی ہیں جن کی بدولت انسان حسنات کی طرف راغب ہوتا اور گناہوں سے رک جاتا ہے۔ خوف اور ڈر صرف اللہ ہی کے لیے روا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[1]

حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔

---

(١) سورة التوبہ:١٣

اور مؤمن کون ہے؟ قرآن حکیم اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾(۱)

سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب اللہ کی آیات انہیں سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک نوجوان کے پاس آئے جو مرض الموت میں تھا۔ آپ ﷺ نے استفسار فرمایا کہ تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ، مجھے اللہ تعالیٰ کے در سے امید بھی ہے لیکن ساتھ ہی گناہوں کا ڈر بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی بندے کے دل میں ایسے خیالات جمع نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ اس کی امیدوں کو بر لے آتا ہے اور اسے خوف سے محفوظ کر دیتا ہے۔(۲) نبی کریم ﷺ جب نماز ادا فرماتے تو بسا اوقات آپ کے سینے سے ہنڈیا کے ابلنے کی سی آواز آتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ خشوع و خضوع اور خشیتِ خداوندی تھی۔(۳) آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ دعا سکھائی کہ اے اللہ میں شہود اور موجودگی میں آپ کی خشیت کا سوال کرتا ہوں۔

آج نوجوانوں میں ناچ، گانے، فحاشی و عریانی پر اصرار اور صوم وصلاۃ سے جو عملی انکار نظر آتا ہے اس کے پیچھے خشیت وللّٰہیت کا نہ ہونا ہے اگر نوجوانوں کی تربیت فرموداتِ نبوی کی روشنی میں کر دی جائے تو اس سیلاب کے سامنے بند باندھا جاسکتا ہے۔

یادِ آخرت اور تذکرہ موت

یاد آخرت اور تذکرہ موت انسان کو دنیا کی رنگینیوں میں کھو جانے سے باز رکھتا اور قربِ خداوندی نصیب کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے موت کو یاد رکھنے کی تلقین کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔(۴) یادِ آخرت کے حصول کا ایک اہم ذریعہ زیارت قبور ہے۔ انسان جب قبرستان میں داخل ہوتا ہے تو اسے فانی دنیا کا احساس ہوتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اسے دنیا سے آخرت کی جانب ضرور کوچ کرنا ہے جس کی پہلی منزل یہ قبر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے باغ ہے یا دوزخ کے ٹھکانوں میں سے ایک ٹھکانا۔(۵) جنازوں میں شمولیت اور مردوں کو قبر میں اتارتے

---

(۱) سورۃ انفال: ۲

(۲) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۲۶۱، ۲/۱۴۲۳

(۳) ابن حنبل، امام احمد، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۶۳۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ، ۲۶/ ۲۴۷

(۴) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۲۵۸، ۲/ ۱۴۲۲

(۵) سنن الترمذی، ۴/ ۶۴۰

وقت ان احادیث کا مضمون بدنِ انسانی پر سکتہ طاری کر دیتا ہے۔ پھر وہ اپنا محاسبہ کرتا ہے تو جگہ جگہ معاصی کے ارتکاب پر ندامت نظر آتی ہے۔ لہٰذا وہ رجوع الی اللہ کرتا ہے تو اللہ کی رحمت اسے گھیر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مربی عالم حضور اکرم ﷺ نے جب اپنے اصحاب کی تربیت کی تو انہیں زیارتِ قبور کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تو خوب روئے اور فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے والدہ کی مغفرت کی اجازت طلب کی تھی لیکن مجھے اجازت نہ ملی تو میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی جو مجھے مل گئی۔ تم قبروں کی زیارت کیا کرو اس سے موت یاد رہتی ہے۔[1]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ میں نے تمھیں پہلے زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم قبرون کی زیارت کیا کرو[2]

تعاون و تناصر کی ترغیب

نوجوانوں کی تربیت کا منہج نبوی یہ ہے کہ انہیں خیر، تعاون اور تناصر کے کاموں پر ابھارا جائے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[3]

نیز نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں نہ کرو۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا «مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ، فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ»[4] کہ نیکی و بھلائی کے کاموں پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی مثل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تعاون کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ اخوت، مودت اور محبت میں مؤمنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جس کے کسی ایک حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم بے چین ہو کر رہ جاتا ہے۔[5] ایک مقام پر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم اہل زمین پر رحم کرو رب السموت والارض تم پر رحم کرے گا۔[6]

عصر حاضر میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ نوجوان نسل میں درج بالا ارشادات و فرمودات کو حرزِ جان بنانے کی سعی کی جائے تا کہ وہ سسکتی، تڑپتی انسانیت، مسکینوں اور محتاجوں، لاوارثوں اور بے آسراؤں، مریضوں اور اپاہجوں کے دکھوں کا مداوا کر سکیں۔ نبی کریم ﷺ نے جب اپنے اصحاب کی تربیت اپنے افکار کی روشنی میں کی تھی

---

(۱) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۹۷۶، دار احیاء التراث العربی، ۲/ ۶۷۱

(۲) ایضا، حدیث نمبر: ۱۴۰۶، ۲/ ۱۰۲۵

(۳) سورۃ المائدہ: ۲

(۴) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۵۱۲۹، ۲/ ۷۵۵

(۵) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المومنین، حدیث نمبر: ۲۵۸۶، ۴/ ۱۹۹۹

(۶) سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۲۴، ۴/ ۳۲۴

توصدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ عنہم جیسے نام منصہ شہود پر آئے تھے۔ابو بکر رضی اللہ عنہ راتوں کو اٹھ کر محتاجوں کا پانی بھرا کرتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے باوجود راتوں کو گلیوں میں گشت کرتے تھے اور بھوکے بچوں کی گریہ و زاری ان کے بدن پر کپکپاہٹ طاری کردیتی تھی۔

حسنات کی ترغیب اور سیئات سے انذار

امتِ محمدیہ کے اعزازات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ بہترین امت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امت محمدیہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ مسلمان جب تک اس فریضہ کو سرانجام دیتے رہیں گے، خیرِ امت کے لقب سے ملقب ہوتے رہیں گے اور جب اس کو ترک کریں گے تو ذلت کی پستیوں میں جا گریں گے۔ دور حاضر کا یہ المیہ ہے کہ نسلِ نوجو مرضی کرتی پھرے، اسے اُف تک کہنے کی مجال نہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج تربیت ہمیں اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو تو اسے نماز کی تلقین کرو اور جب اس کی عمر دس برس ہو تو (عدم اداءِ صلوۃ) پر انہیں مارو۔[۱] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز تہجد ادا فرماتے اور وتر کے قریب پہنچتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہتے:

«قُومِي فَأَوْتِرِي يَا عَائِشَةُ»[۲] اے عائشہ بیدار ہو اور صلاۃ وتر ادا کر۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ایسے آدمی پر رحم کرے جو نماز کیلئے بیدار ہو اور اپنی بیوی کو بھی نماز کے لئے بیدار کیا۔ اور اگر وہ نہ اٹھی تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے (تاکہ وہ بیدار ہو) اور اللہ ایسی عورت پر بھی رحم کرے جو نماز کے لئے بیدار ہوئی اور اپنے خاوند کو بھی بیدار کیا اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔[۳]

درج بالا احادیث کی روشنی میں یہ منہج سامنے آتا ہے کہ صرف اپنی آخرت کی ہی فکر نہ کی جائے بلکہ دوسروں کو آتشِ دوزخ سے بچانا یہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔ نسل نو جو عبادات اور بالخصوص نماز پنجگانہ سے دور ہے، منت سماجت، نرمی و سختی گویا ہر طرح سے اس کی ایسی تربیت ضروری ہے کہ وہ اوامر کو بجالائیں اور نواہی سے کنارہ کش ہو جائیں، اس سلسلے میں والدین کا کردار بنیادی ہے اس کے بعد اعزاہ واقارب، مشائخ واساتذہ اور بزرگان قوم ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھرپور طریقے سے اپنا کردار ادا کریں اس لئے کہ نبی دوجہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اسی سے اس کی رعیت یا ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔[۴]

---

(۱) سنن ابی داود، حدیث نمبر: ۴۹۵، ۱/۱۸۷

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۷۴۴، ۱/۵۱۱

(۳) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۳۳۶، ۱/۴۲۴

(۴) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۷۱۳۸، ۹/۶۲

دینی پروگرامز کا انعقاد

احکام خداوندی کی بجا آوری کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ انفرادی طور پر اوامر کو بجالایا جائے، مثلاً یہ کہ انفرادی طور پر ذکر و اذکار، تسبیح و تہلیل میں مشغول رہا جائے۔ دوسرے یہ کہ اجتماعی طور پر ان میں حصہ لیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ بسا اوقات فرضی عبادات کے علاوہ نفلی عبادات میں بھی اجتماع فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی معیت میں اکھٹے ہوتے اور یادِ خداوندی میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے « اجْلِسُوا بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً »(۱) کہ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھو، ہم کچھ دیر ایمان کا تذکرہ کریں یعنی اللہ کا ذکر کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اصحاب رسول کو بلاتے اور فرماتے: آو ایمان میں زیادتی کریں یعنی اللہ کا ذکر کریں جس سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔(۲) نبی کریم ﷺ دینی اجتماعات کے لئے باجماعت نفل نماز تک ادا فرماتے اور مقتدیوں میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ جیسے اصحاب ہوتے تھے. (۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں باب صلوٰۃ النفل جماعۃ کا عنوان بھی قائم کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نفل کی نماز باجماعت بھی ہو سکتی ہے۔(۴)

درج بالا اقوال و افعال رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ انسان روز مرہ کی مصروف زندگی میں جب کھو تا ہے تو آہستہ آہستہ اس کے دل سے حلاوت ایمانی دور ہوتی چلی جاتی ہے پھر کچھ عرصے کے بعد ایک وقت ایسا آتا ہے کہ عبادات گراں معلوم ہوتی ہیں اور اس کے بعد ترکِ عبادات جیسی نوبت بھی آجاتی ہے۔ اس کا بہترین علاج گاہے بگاہے دینی پروگرامز اور محافل کا انعقاد ہے۔ جس میں ذکر و اذکار، حمد و ثناء جناب رسول ﷺ کی مدح سرائی اور پند و نصیحت کے ذریعے نفسانی میل کچیل کا سدباب کیا جائے جس سے طبعیت میں حسنات کی رغبت پیدا ہو اور سیئات دشوار دکھائی دینے لگیں۔

جامعات چونکہ نوجوانوں کی نرسریاں ہیں اور ہزاروں طلباء و طالبات دن کا بیشتر حصہ جامعات میں ہی صرف کرتے ہیں تو انہیں پند و نصائح کا بہترین موقع معماران قوم کو میسر آتا ہے۔ اب ضرورت اس مر کی ہے کہ جامعات کے ارباب دانش ایسے پروگرامز کا انعقاد کریں جن سے نوجوانانِ قوم کی روحانی تربیت ہو اور دلوں کی اجڑی بستیاں ایک مرتبہ پھر یاد خداوندی سے آباد ہوں۔ یہاں ایک بات واضح رہے کہ ایسے تمام پروگرامز میں صدقِ دل اور خلوص نیت اولین شرط ہے۔ بہت ضروری ہے کہ نصحائے قوم دردِ دل رکھتے ہوئے، دنیاوی مفادات سے بالاتر ہو کر

---

(۱) ابن خلال، ابو بکر احمد بن محمد بن ھارون، السنۃ، حدیث نمبر: ۱۱۲۱، دار الرایۃ، ریاض، ۱۹۸۹ء، ۳۹/۴

(۲) ایضاً، حدیث نمبر: ۱۱۲۱، ۳۹/۴

(۳) عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۸۰/۳

(۴) صحیح بخاری، ۵۹/۲

ایسے پروگرامز کا بھرپور اور مؤثر انداز میں انعقاد کریں۔ طلباء و طالبات سے تاثرات لیں اور ان کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل متعین کریں جو طلبہ و طالبات ایسی محافل میں رغبت دکھائیں، شفقت بھرے انداز میں انہیں اس سلسلے سے نہ صرف جوڑے رکھیں بلکہ انہیں دیگر طلباء کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔

اپنی ذات سے نمونہ عمل پیش کرنا

آپ ﷺ کا منہج تربیت یہ ہے کہ اپنی ذات کو نمونہ عمل بنا کر پیش کیا جائے اس لئے کہ دوسروں کو اچھائی کی تلقین کرنے اور خود اس سے گریزاں رہنے سے مثبت کی بجائے منفی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس سلسلے میں واضح کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر ناراضگی ہے کہ تم دوسروں کو نصیحت کرو اور خود اس پر عمل نہ کرو۔[۱] غزوہ احزاب جس میں پورے عرب کی جمعیت مسلمانوں کے خلاف لشکر آراء ہو گئی تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔ صحابہ خندق کھودنے میں جُت گئے تو آپ ﷺ بھی بنفس نفیس کدال لیکر نہ صرف شامل حال ہوئے بلکہ اس کی قیادت کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے، آپ ﷺ کو اپنی یہ کیفیت دکھانے لگے تو جناب رسول اللہ ﷺ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم محنت مزدوری میں مصروف تھے وہیں رسول اللہ ﷺ بھی گارا اور پتھر اٹھا کر لاتے تھے یوں دیکھتے ہی دیکھتے مسجد نبوی تعمیر ہو گئی۔ آپ علیہ السلام نے ستائیس سے زائد غزوات میں نہ صرف یہ کہ خود حصہ لیا بلکہ ہر مرتبہ زمام قیادت آپ ﷺ ہی کے ہاتھ میں رہی تبھی قرآن نے کہا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[۲]

تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

دور حاضر کا المیہ یہ ہے کہ آج کا مربی خود اس چیز سے بے اعتنائی برتتا ہے جس کا درس وہ اپنے زیر تربیتوں کو دے رہا ہوتا ہے۔ پیر و مرشد اگر خود باجماعت نماز میں حریص نہیں تو اس کے متبعین نماز کے عادی کیوں کر ہوں؟ مدرس و استاذ اگر اپنے تلامذہ سے مخلص نہ ہو تو شاگردوں میں خلوص کی فصل کہاں سے پروان چڑھے؟ دورِ حاضر میں نوجوان نسل اپنی قیادت سے اسی لئے بیزار ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید پند و نصائح صرف انہی کے لیے ہیں اور قائدین بمع آل اولاد ان کا محل نہیں یا وہ مکمل طور پر آزاد ہیں۔ سیاسی قیادت سے بیزاری تو کھلے عام ہے اور اب یہ وبا مذہبی قیادت کی جانب بھی منتقل ہونے لگی ہے جو کہ بڑا المیہ ہے۔ ہمیں اس کا فوری ادراک کرنا ہو گا اور اس سے قبل کہ حالات اس نہج پر پہنچیں جہاں سے واپسی ناممکن ہو، اپنے آپ کو نمونۂ عمل بنا کر پیش کرنا ہو گا تاکہ نسلِ نو اپنے بڑوں سے سبق سیکھ کر وہ کچھ کرے جس کا درس ارباب حل و عقد نے انہیں دیا ہے۔

---

(۱) سورۃ الصف:۲-۳

(۲) سورۃ الاحزاب:۲۱

خلاصہ بحث

نوجوان جو کسی بھی قوم کا اثاثہ اور سرمایہ حیات ہیں، کی تربیت اسلوبِ نبوی پر نہایت ضروری ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جب اپنے اصحاب کی تربیت فرمائی تو ان میں ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ جیسی شخصیات منصہ شہود پر آئیں۔ حیاتِ تابندہ کے ان درخشاں ستاروں نے رہتی دنیا پر تا قیامِ قیامت انمٹ نقوش چھوڑے۔ آج رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تو اس دنیا میں موجود نہیں مگر آپ کا منہج موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اُسی منہج نبوی کو اپنایا جائے اور نوجوانانِ قوم کی اخلاقی تنزلی کا سدباب کیا جائے۔ اس سلسلے میں چند ایک گزارشات فائدہ مند ہو سکتی ہیں جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱۔ تربیتِ شباب کی پہلی ذمہ داری والدین کی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اس طرح تربیت کریں کہ وہ معاشرے کا کار آمد فرد بنیں۔ افسوس صد افسوس کہ مال و دولت کی ہوس میں والدین کو وہ اوقات میسر نہیں جس میں وہ تربیت اولاد کا فریضہ سر انجام دے سکیں۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اولاد والدین سے بیزار اور معاشرے سے باغی ہے۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ والدین اپنی اولاد پر دنیاوی مفادات کو قربان کرکے انہیں جہنم کا ایندھن بننے سے بچائیں۔

۲۔ تعلیمی ادارے نوجوانوں کی نرسریاں ہیں جہاں انہیں تعلیم تو مہیا کی جاتی ہے مگر افسوس کہ تربیتی پہلو نظر انداز کر دیا جاتا ہے بلکہ یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ مخرب تربیت امور کی اجزات دی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہم پڑھے لکھے جاہل پیدا کر رہے ہیں اور اخلاقی دیوالیہ پن اس پر مستزاد ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ تعلیمی اداروں کی اولا تو خود اخلاقی اقدار بحال کی جائیں جہاں مطمع نظر سرمائے کی بجائے انسانیت ہو اور پھر تعلیم کے ساتھ تربیت کا مربوط بندوبست کا جائے تا کہ وہاں سے فارغ التحصیل جونوان علم و عمل کا نمونہ ہو۔

۳۔ اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بھرپور طریقے سے انجام دے۔ لہٰذا اوّلاً تو حکومت وقت اس اہم دینی فریضے کے لیے ساز گار ماحول فراہم کرے، ثانیا یہ کہ جہاں کہیں کمی کوتاہی ہو، اس کے ازالے میں اپنی قوت نافذہ کو استعمال کرے ۔ درج بالا اقدامات کو اگر سنجیدہ طور پر لیا جائے تو بھرپور توقع ہے کہ ان شاءاللہ نتائج حوصلہ افزا ہو سکتے ہیں۔

❁ ❁ ❁